در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت، پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگارِ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۲۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیرِ اعلیٰ
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

منتظمِ اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۹۶-۹۵ | جلد نمبر ۸

۱۵۲۱-۱۶ تا ۳۱ اکتوبر ۱۹۹۶ | جمادی الاول / جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ

مدیرِ اعلیٰ فقیر محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے طبع کرکے یکہ توت پشاور سے شائع کیا

ضروری اعلان برائے قارئین کرام

وہ تمام حضرات جنہوں نے گذشتہ سال سالانہ چندہ برائے "الحسن" پندرہ روزہ ادا کرکے ممبر شپ حاصل کی تھی امسال بھی حسب سابق اپنا زر اعانت ادا فرما کے سال رواں میں رسالے کی خریداری کو یقینی بنائیں۔

شکریہ

منی آرڈر بھجوانے کا پتہ

سید غلام الحسنین قادری گیلانی

"الحسن" (پندرہ روزہ)

شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ اکیڈمی

۱۳۷۱ کوچہ آقا پیر جان رحمۃ اللہ علیہ یکہ توت پشاور شہر۔

فہرست مضامین

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
شذرہ	اقبال رہائش	۳
نعت شریف	محمد افضل چشتی	۵
تفسیر قرآن الحسنیہ	مدیر اعلیٰ	۶
انوار علی المرتضیٰ	مدیر اعلیٰ	۹
تجلیات غوثیہ	مدیر اعلیٰ	۱۳
غزل	محمد اشرف قریشی	۱۶
حالات زندگی شیخ الحدیث حافظ علی احمد جان صاحب	مدیر اعلیٰ	۱۷
سراج المشکوٰۃ فی مسائل الزکوٰۃ	شیخ الحدیث حافظ علی احمد جان صاحب	۲۲
تصوف کے اثرات ہندو سماج پر	سعید احمد اکبر آبادی	۴۷
استفتاء مع الجواب	مفتی خلیل الرحمٰن نقشبندی	۶۰
تبصرہ کتب	سید محمد انور شاہ قادری	۶۲

شذرہ

فرقہ واریت کا زہر

محب وطن پاکستانیوں کے لئے لمحہ فکریہ !

اقبال ریاض

ملتان کے حالیہ واقعہ کے بعد جس میں مسجد خیر الانام میں ۲۱ سے زائد مسلمان نماز کی ادائیگی کے دوران دہشت گردی کا نشانہ بن گئے اسلام کا ہر شیدائی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں جو خانہ خدا میں بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنانے سے نہیں چوکتے؟

ایک مسلمان کا ایک بے گناہ انسان کو قتل کر دینا ویسے ہی بہت بڑا اور عظیم گناہ ہے۔ لیکن مساجد اور امام بارگاہوں کے اندر عبادت میں مشغول افراد کو بغیر کسی اشتعال کے گولیوں کا نشانہ بنا دینا کسی طرح بھی قابل معافی جرم نہیں ہے۔ اس قسم کے واقعات صرف حکومت کے لئے ہی لمحہ فکریہ نہیں ہیں۔ بلکہ ہر اس مسلمان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں جو ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن کا پیروکار اور ماننے والا ہے۔ ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ جب پاکستان بنا تھا تو اس کے لئے کسی ایک فرقے کے مسلمانوں نے جدوجہد نہیں کی تھی بلکہ شیعہ سنی اور اہل حدیث سبھی پیش پیش تھے۔ اور دشمن نے ان سب کو مسلمان سمجھ کر ہی ان کے خلاف چنگیزیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ملک مسلمانوں نے متحد ہو کر ایک ہی قائد کی رہنمائی میں حاصل کیا ہے۔ جبکہ اس وقت فرقہ واریت کا کوئی وجود نظر نہیں آرہا

تھا۔ لیکن اب اگر فرقہ واریت کا یہ زہر سرایت کر گیا ہے تو اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے دشمن جو اس ملک کے روز اول سے مخالف ہیں، اپنی سازشوں کی تکمیل کے لئے پوری طرح سرگرم ہیں۔ اور وہ فرقہ واریت کے زہر کو پھیلانے کے علاوہ دہشت گردی، دھماکوں اور دیگر ذرائع سے بھی کام لینے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ان میں اختلافات پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے مذہبی مقاصد کو پورا کر سکیں اہل اسلام کو سپین کا المیہ یقیناً بھولا نہیں ہو گا۔ جہاں حبشی، عربی اور عجمی میں انتشار پیدا کر کے مسلمانوں کی سات سو برس قائم رہنے والی حکومت ختم کر دی گئی۔ پہلی جنگ عظیم میں عربوں کی عصبیت کو ابھار کر انہیں ترکوں کے خلاف اکسایا گیا۔ اس طرح نہ صرف ترکی کو نقصان پہنچا بلکہ عرب بھی کئی ٹکڑوں اور ریاستوں میں بٹ گئے۔ جس کا خمیازہ وہ آج تک بھگت رہے ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دشمن نے پاکستان کو آج تک دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اور وہ اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ہر قسم کی سازشوں میں مصروف ہے اور اس سلسلے میں مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے اور انہیں باہم لڑانے کے لئے اپنے اندرونی اور بیرونی ایجنٹوں سے کام لینے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ لہذا اسلام کے شیدائیوں اور پاکستان سے محبت کرنے والوں کے لئے یہ صورت حال لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے اس سلسلے میں بہت بڑی ذمہ داری حکومت کے علاوہ ملی یکجہتی کونسل پر عائد ہوتی ہے۔ جسے ملت میں اتحاد کے لئے عملی جدوجہد اور کام کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور فرقہ واریت کی اس لعنت کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو اس ملک اور قوم کے لئے زہریلا نیل سے کم ثابت نہیں ہو سکتا۔

ہو جائے یہ سینہ میرا انوار مدینہ

دریا ہے محبت کا دربار مدینہ
دے شام و سحر مولا دیدار مدینہ

کوثر میں مذمل میں یٰس و طٰہٰ میں
دولہا نظر آتے ہیں سرکار مدینہ

اس طرح دل سیاہ کو کرنیں تو عطا کر
ہو جائے یہ سینہ میرا انوار مدینہ

سانسوں کو معطر یوں خوشبو تیری کردے
گلزار مدینہ سے مہکار مدینہ

محروم بصیرت سے اگر ہو گئیں آنکھیں
دل کو تو عطا کردے دیدار مدینہ

میں تیری عنایت کے سدا گیت ہی لکھوں
مانے یہ جہاں افضلؔ قلم کار مدینہ

محمد افضل چشتی یکہ توت
پشاور

تفسیر قرآن الحسنیہ

مدیر اعلیٰ

واذقتلتم نفساً فادرء تم فیھا ، واللہ مخرج ما کنتم تکتمون ۝ ، فقلنا اضربوہ ببعضھا ، کذلک یحی اللہ الموتیٰ ویریکم آیتہ لعلکم تعقلون ۝ ،

اور (اے بنی اسرائیل) اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم نے ایک جان (انسان) کو قتل کیا۔ پھر تم اس کے (قاتل) کے متعلق شک میں پڑ گئے۔ حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نکالنے والا تھا اس کو جسے تم چھپاتے تھے۔ پھر ہم نے (بنی اسرائیل کو) حکم دیا کہ مارو اس (مقتول) کو اس (ذبح شدہ) گائے کے بعض حصے کے ساتھ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تمہیں اپنی (عبرت و موعظت) کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو

حل لغت

ادرء تم جمع مذکر مخاطب فعل ماضی کا صیغہ ہے۔ شک میں پڑ گئے تم، ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے تم، آپس میں جھگڑنے لگے تم۔

تکتمون۔ جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے، فعل مضارع ہے، چھپاتے تھے، کتمان اس کا مصدر ہے، جس کے معنی جان بوجھ کر چھپانا کے ہیں۔

تفسیر

آیہ۔ ما قبل میں اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ نے بنی اسرائیل کی حیلہ جوئی اور ضد و ہٹ دھرمی کی چالوں کو فاش فرمایا اور آخر کار ان کا اس گائے کو پا لینا جس کو ذبح کرنے کا حکم تھا، مان لیا، یہاں پر ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ اب ان کے اس باطل خیال کا رد فرماتا ہے کہ

اے بنی اسرائیل تم جس قاتل کے بارے میں جھگڑتے ہو، یا ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے ہو یا شک میں پڑے ہوئے ہو، تو ہم تمہاری اس چھپی ہوئی سازش اور چال کو واضح طور پر اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ظاہر فرماتے ہیں اور وہ اس طرح کے اس بازیافتہ گائے کو ذبح کرو اور اس کے کسی حصے کو مقتول کے بدن پر لگاؤ وہ زندہ ہو جائے گا اور اپنا قاتل بتادے گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار اس طرح فرماتا ہے کہ دیکھو جس طرح میں نے معجزانہ طور پر اس مردے کو زندہ کیا اور احوال حال ظاہر فرمایا اسی طرح میں اس قدرت، طاقت اور اختیار کا مالک ہوں کہ دوبارہ حشر کروں گا اور عبرت و موعظت کے لئے معجزانہ طور پر اپنی نشانیوں اور علامات کو ظاہر کروں گا۔

۷

ثم قست قلوبکم من بعدذلک فھی کالحجارۃاواشد قسوۃ ط وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھر ط وان منھا لما یشقق فیخرج منہ المآء ط وان منھالما یھبط من خشیتہ اللہ ط ومااللہ بغافل عماتعملون(۱) ۷۴

اس (واقعہ) کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ پتھر کی مانند سخت ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ سخت اور (جان لو) کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور بے شک بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی بہہ نکلتا ہے اور (نیز) بے شک ان (پتھروں) میں سے بعض پتھر ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے گر پڑتے ہیں اور اللہ جل جلالہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔ ۷۴

حل لغت

قست- سخت، پتھر جیسے- اشد- بہت زیادہ- یتفجر- پھوٹ پڑیں، جاری ہو گئیں- یشقق- پھٹ پڑے، شگاف پڑ گئے- یھبط- گر پڑے، ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑے، ٹکڑے

ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑے۔ خشیتہ۔ خوف، ڈر ہیبت۔

تفسیر

اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ نے بنی اسرائیل کی شقاوت قلبی کا اظہار اس طرح فرمایا کہ باوجود اپنی آنکھوں کے سامنے اور اپنے ہاتھوں کے ساتھ گائے کا حصول، اس کو ذبح کرنا، اس کے بعض حصے کو مقتول کے وجود سے لگانا اور پھر مقتول کا زندہ ہو کر احوال واقعی کی خبر دینا یہ تمام امور بنی اسرائیل کے ہاتھوں ان کے سامنے معجزانہ طور پر ظہور پذیر ہوئے، مگر ان کی بد بختی نے ان سے کوئی عبرت و نصیحت حاصل نہ کی، بلکہ ان کے دل اور پتھرا گئے۔ اللہ جل جلالہ و عمہ نوالہ فرماتے ہیں کہ ان کے دل اتنے سخت ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں، اس کی قدرت، اس کی طاقت اور اس کی ہیبت کو دیکھ کو پتھر پھٹ جائیں اور پتھروں سے نہریں اور آبشاریں بہہ نکلیں اور خشیت الٰہی سے پہاڑوں کے پہاڑ آن واحد میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمیں پر آگریں۔

مگر بنی اسرائیل کے قلوب اللہ جل جلالہ کے حضور پتھروں سے بھی زیادہ سخت تھے جن پر کوئی معجزہ یا نشانی یا قدرت الٰہی یا ہیبت الٰہی کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور یہ تمام ان کی فتنہ انگیزیوں، شرارتوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ کماحقہٗ باخبر تھا اسی لئے ان کے ان اعمال بد کو عبرت و نصیحت کے لئے آنے والی اُمتوں کو بتایا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ان کے نقش قدم پر چل کر غضب الٰہی کے مستحق ہوں۔

گذشتہ سے پیوستہ

انوار علی کرم اللہ وجہہ الکریم

مدیر اعلیٰ

ذکر الترغیب فی حب علی و ذکر دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لمن احبہ و ذکر دعآئہٖ علی من ابغضہٗ

اس باب میں جناب سیدنا امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ محبت کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور "اس شخص کے لئے جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرماتے ہیں" کا ذکر ہے نیز "اس شخص کے لئے جو ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دشمنی رکھتا ہے" بددعا کرنے کا بیان ہے۔

حدیث ۹۷ / ۱

انباء نا احمد بن شعیب قال حدثنا اسحاق بن ابراھیم بن راھویہ قال انبانا النضر بن بن شمیل قال حدثنا عبدالجلیل بن عطیتہ قال حدثنا عبداللہ بن بریدہ قال حدثنی ابی قال لم یکن من الناس ابغض الی من علی ابن ابی طالب حتی احببت رجلا من قریش لا احبہ الا بغض علی فبعث ذالک الرجل علی خیل فصحبتہ الا علی بغض علی فاصاب سبیاً فکتب الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یبعث الیہ من خمسہ فبعث الینا علیاً وفی السبی وصیفتہ من افضل السبی فلما خُمسہ صارت فی الخُمس ثم

خمس فصارت فی اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم خمس فصارت فی آل علی فاتانا وراسہ یقطر فقلنا ما ھذا فقال الم تروا الوصیفتہ صارت فی الخمس ثم صارت فی اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم صارت فی آل علی فوقع علیھا فکتب وبعثنی مصدقاً لکتابہ الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصدقا لما قال فی علی فجعلت اقول علیہ صدقاً ویقول صدق فامسک بیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال اتبغض، علیاً فقلت نعم فقال لا تبغضہ وان کنت تحبہ فازددلہ حباً فوالذی نفسی بیدہ لنصیب آل علی فی الخمس افضل من وصیفتہ فما کان احد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احب الی من علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔ قال عبداللہ بن بریدۃ واللہ ما کان فی الحدیث بینی وبین النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر ابی۔

ترجمہ

بریدہ سے روایت ہے اس نے کہا کہ جناب علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کے ساتھ بغض رکھنے والے) لوگوں میں مجھ سے زیادہ بغض رکھنے والا کوئی بھی نہ تھا یہاں تک کہ ایک قریشی کو صرف اس لئے میں دوست رکھتا تھا کہ (جناب) کے ساتھ وہ بغض رکھتا تھا۔ یہ شخص ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا گیا۔ پس میں اس شخص کے ہمراہ ہوگیا صرف جناب علی کی عداوت کی وجہ سے میں نے اس کی ہمراہی اختیار کی۔ پس کافروں کی عورتیں قیدی بنائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خط لکھا تاکہ وہ کوئی شخص مقرر فرمائیں جو اس مال غنیمت سے پانچواں حصہ لے لے۔ تو (جناب) علی کو ہماری طرف بھیجا گیا۔ قیدی عورتوں میں سے ایک ایسی لونڈی تھی جو کہ تمام قیدی عورتوں میں بہت خوب صورت تھی۔ سو جب اس نے پانچواں حصہ نکالا تو وہ لونڈی پانچویں حصے میں آئی۔ پھر اس پانچویں میں سے پانچواں حصہ نکالا تو وہ لونڈی اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصے میں آئی۔ پھر پانچویں میں پانچواں حصہ نکالا تو وہ لونڈی آل علی کے حصے میں آئی۔ پس وہ اس حال میں ہمارے پاس آئے کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے تو ہم نے کہا یہ کیا حال ہے تو فرمایا کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ لونڈی اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں حصے میں آئی پھر اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خمس میں آئی پھر آل علی کے خمس میں آئی تو میں نے اس سے صحبت کی۔ پس اس نے خط لکھا

اور مجھے اپنے خط کی تصدیق کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس حال میں کہ تصدیق کرنے والا تھا۔ (جناب) علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس واقعہ کی۔ پس میں نے اس پر سچ کہنا شروع کر دیا اور ارشاد فرماتے اس نے سچ کہا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ۔ کیا تم علی سے دشمنی رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! سو ارشاد فرمایا، کہ اس سے عداوت نہ کر اور اگر تو اس سے محبت کرتا ہے تو اس محبت کو اس کے ساتھ اور زیادہ کر۔ پس قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ۔ قدرت میں میری جان ہے کہ البتہ آل علی کا حصہ خمس میں سے افضل ہے لونڈی سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد (جناب) علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے زیادہ مجھے کوئی بھی محبوب نہیں۔ عبداللہ بن بریدہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں میرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان میرے والد کے سوا۔ کوئی اور نہ تھا۔

تشریح

ارشاد ہے "ایک قریشی کو صرف اس لئے میں دوست رکھتا تھا کہ (جناب) کے ساتھ وہ بغض رکھتا تھا" یعنی جناب سیدنا امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دشمنی مجھ سے زیادہ کسی دوسرے میں نہ تھی اور یہ عادت قبیحہ مجھ میں اتنی رچی ہوئی تھی کہ مجھے ہر اس شخص سے محبت تھی جو آپ رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھتا اسی لئے میں اس قریشی یعنی خالد بن ولید کو دوست رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ جناب علی سے بغض رکھتا تھا۔ ارشاد ہے۔ "یہ شخص ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا گیا" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو لشکر بھیجے تھے۔ ایک لشکر کا امیر حضرت علی تھا اور دوسرے کا خالد بن ولید۔ اور فرمایا تھا کہ جس وقت تم دونوں یک جا ہو جاؤ تو پھر ان دونوں لشکروں کا امیر حضرت علی ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور فتح و نصرت جناب علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ سے ہوئی۔ (دیکھو حدیث ۹۰۔ ۱) ارشاد ہے۔ "صرف (جناب) علی کی عداوت کی وجہ سے میں نے اس کی ہمراہی اختیار کی" یعنی خالد کے لشکر میں، میں اس لئے شامل ہوا کہ وہ بھی میری طرح جناب سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم سے عداوت رکھتا تھا۔ گویا بغض علی کی وجہ سے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لشکر میں شریک نہ ہوا۔ ارشاد ہے "پس کافروں کی عورتیں قیدی بنائیں" یعنی کافروں کی عورتیں فتح کے بعد قیدی بنیں۔ اور کافی مال غنیمت ملا۔

ارشاد ہے "کوئی شخص مقرر فرمائیں جو اس مال غنیمت سے پانچواں حصہ لے لے" یعنی مال غنیمت میں سے جو پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے لے لے۔ ارشاد ہے "وہ لونڈی پانچویں حصہ میں آئی" یعنی جب کل مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا تو وہ لونڈی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حصہ میں آگئی۔ ارشاد ہے، "پس اس نے خط لکھا" یعنی خالد بن ولید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بطور شکایت کے لکھ بھیجا۔ ارشاد ہے۔ "پس میں نے اس پر سچ کہنا شروع کر دیا" یعنی جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا سارا واقعہ جو حقیقتاً گزرا تھا۔ بیان کرنا شروع کر دیا۔ ارشاد ہے، "اور ارشاد فرماتے تھے کہ اس نے سچ کہا" یعنی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے کہ (جناب) علی المرتضیٰ نے سچ کہا اور جو کچھ انہوں نے کیا صحیح اور درست کیا ہے۔ اور تمہاری شکایت بے جا اور قطعاً غلط ہے۔ ارشاد ہے۔ "آل علی کا حصہ خمس سے افضل ہے لونڈی سے" یعنی اگر خمس میں لونڈی سے افضل کوئی چیز ہو تو وہ بھی ان کا حق ہے۔ لونڈی کیا شے ہے۔ ارشاد ہے، "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد (جناب) علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہیں"۔ یعنی سرور انبیاء۔ امام المرسلین والنبیین۔ جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس توجہ مبارکہ اور ارشاد کے بعد فوراً جناب امیرالمؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت مجھ پر اتنی غالب آگئی کہ اب میری نظروں میں سوائے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی محبت اور احترام و تعظیم کسی دوسری ہستی کے لئے نہیں۔

اسنادہ صحیح۔ رجالہ ثقات(۱)۔

گذشتہ سے پیوستہ

تجلیات غوثیہ

مدیر اعلیٰ

اور اس مقام پر بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ علم حق بلکہ اس کی تمام صفات عین ذات ہیں اور اعیان ثابتہ سے جو کچھ علم میں مضمر ہے وہ بھی عین علم ہے۔ پس اعیان ثابتہ جو ذات اقدس کے فیض سے مرتبہ علم میں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ عین علم ہیں۔ لہٰذا وہ ہمہ اوست کے قائل ہو جاتے ہیں کیونکہ کوئی غیر نہیں تمام اسی کا ظہور ہے۔

اور بعض صوفی حضرات فرماتے ہیں کہ صفات حق نہ عینِ ذات ہیں اور نہ غیر ذات ہیں، علمائے متکلمین بھی یونہی فرماتے ہیں۔ پس علم حق اس صورت میں عینِ حق نہیں ہو سکتا اور اعیانِ ثابتہ اگرچہ علم میں ظہور پذیر ہوتی ہیں لیکن عین علم نہیں بن سکتیں۔ پس یہ بطریق اولیٰ عین حق نہ ہوئیں۔ اس لئے کہ یہ معدوم ہیں اور عین ذات معدوم نہیں ہوتی اور حق تعالیٰ موجود ہے۔ پس ممکن کی حقیقت اس صور علمیہ معدومہ سے عبارت ہے جن پر صفات کا پرتو پڑا ہے اور ان پر آثار مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہمہ از اوست ہوا نہ کہ ہمہ اوست کیونکہ یہ حقائق امکانیہ غیر حق ہیں۔

اور وہ صوفی حضرات جو وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اعیان ثابتہ عدم محض نہیں ہیں۔ اس لئے کہ عدم کے لئے امتیاز نہیں ہوتا۔ جبکہ مرتبہ علم میں یہ اعیان ثابتہ اپنے لئے امتیاز رکھتی ہیں اور ان کا وجود علمی موجود ہے اور صفات حق کا پرتو پڑنے کے بعد ان اعیان کو وجود خارجی حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح سے کہ وجود مطلق اشیائے خارجی کے آثار اور احکام سے متلبس ہو کر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور ہر موجود خواہ وہ ذہنی ہو یا خارجی، وجود حق کا ظہور ہے۔ کیونکہ وجود تو اسی کا ہے کسی اور کا نہیں۔

اگر کسی کا احکام شرعیہ کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمہ اوست ہے تو یہ اوامر و نواہی اور سزا و جزا کیا معنیٰ رکھتے ہیں۔ اور کس لئے ہیں تو وہ صوفیائے کرام یہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ عین (حق) وہی ہے لیکن ان مظاہر امکانیہ میں ذات حق کے اسماء و صفات کا ظل (سایہ) ہے اور اصل ظل میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ سورج بذات خود زمین اور پلیدی کے ساتھ ملنے کے باوجود

منزہ (پاک) ہے اگرچہ اس کا ظل یعنی دھوپ زمین اور نجاست دونوں پر پڑتی ہے اور اس سے متلبس ہوتی ہے۔ لیکن سورج ان سے آلودہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ ولی۔ کامل کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ اپنی مثالی صورتوں کو مختلف مقامات پر ایک ہی وقت میں ظاہر فرمائے۔ اور وہ خود اپنی ذات کے ساتھ ایک ہی جگہ پر موجود رہے۔ اسی لئے بعض اولیا۔ اللہ مثالی صورت میں کعبتہ اللہ کے طواف کے لئے جاتے تھے حالانکہ وہ اپنے مکان میں موجود ہوتے اور اس صورت مثالی کے لئے جس قسم کا ارادہ کرنا ہو ویسی ہی بن جاتی ہے۔ اگر معذب کرے تو وہ سزا خود اس کو نہیں ملتی اگرچہ وہ صورت اس کی عین ہے۔

اس عینیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ بعینہ بذات خود اس میں حلول کر آیا ہے «تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً» بلکہ اس معنی میں ہے کہ سوائے اس کے کچھ نہیں اور تمام اسی کی تجلیات کی جلوہ فرمائی ہے۔ چنانچہ عکس آفتاب کو عین سورج نہیں کہتے اور یہ عکس ہر مکان میں پڑتا ہے حالانکہ اس کا اصل یعنی خود سورج ہر مکان میں نہیں ملتا۔ اور عکس کے حکم کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا لہذا یہ ظل تو مرتبہ۔ عبودیت رکھتا ہے لیکن اس کا اصل مرتبہ۔ ربوبیت کھتا۔ لہذا احکام شرعیہ میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

اور ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا

گوید آن کس درین مقام فضول
کہ تجلی نداند اوز حلول

پس جو بزرگوں نے وحدت الوجود ہمہ اوست فرمایا ہے وہ اس معنی میں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود ان صورتوں میں حلول کیا ہوا ہے۔ نعوذ باللہ من هذه الاعتقاد بلکہ اس معنی میں فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی صفات جو مرتبہ۔ علم میں تھیں ان کا پرتو حقائق اشیا۔ پر ڈالا اور اسی عکس کے سبب وہ ظاہر ہوئیں ورنہ اشیا۔ کی کوئی دوسری حقیقت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں الم ترالی ربک کیف مدالظل - ای ظل صفاتہ علی حقائق الاشیاء وصورھا العلمیتہ اگرچہ ان عنصری اشیاء۔ کا مادہ ظاہر میں اربعہ عناصر سے ہی ہے لیکن اصل حقیقت اشیاء۔ اولیاء۔ اللہ کے کشف کے مطابق وہی صور علمیہ اور انعکاسیہ صفات ہے۔ اور عکس کا الگ وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً اگر ایک آدمی کئی مختلف آئینوں کے سامنے اپنی صورت دیکھے تو اسے بہت سی صورتیں نظر آئیں گی۔ اس سے اس کا وجود متعدد نہیں ہو جاتے گا کیونکہ عکس کا اعتبار نہیں۔

اسی طرح اگر موجودات میں حقیقت کی جلوہ آرائی ہو جائے تو وجود متعدد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں فرق یہ ہے کہ آئینہ اپنا مستقل وجود رکھتا ہے۔ جبکہ ان صور علمیہ اور ماہیت شخص جو سماء وصفات الٰہی کا آئینہ ہیں اور اس کے انعکاس کا محل ہے اس کا رہنا ذاتی مستقل وجود نہیں ہے اور سوائے علم کے اور کہیں بھی ظہور نہیں رکھتا۔ اور اس پر کوئی آثار مترتب نہیں۔ البتہ صفات الٰہی کے انعکاس (پرتو) سے اس کا وجود ظہور پاتا ہے اور اس پر آثار اور احکام مترتب ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ اس کا اپنا مستقل ذاتی اور اصلی وجود ہے۔ حالانکہ ان کا وجود ظلی ہے اور از خود اپنے وجود کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہی وجود حق ہے کہ جس نے اپنا عکس اس پر ڈالا ہے موجود نظر آتا ہے۔ جس طرح کہ آئینہ میں عکس نظر آتا ہے مگر وجود بذات خود آئینہ میں موجود نہیں ہے۔ یہ عکس از خود کوئی اثر نہیں رکھتا بلکہ اس جسم سے ہے جو کہ آئینہ کے سامنے باہر علیحدہ قائم ہے۔

(جاری ہے)

غزل

محمد اشرف قریشی

جب گلشن ہستی میں کھلی آنکھ تو دیکھا
ہر چیز میں مضمر یہاں آثار فنا تھے

ہر چیز سے اک شان تجلی تھی ہویدا
ان شجر و حجر میں بھی تو الفاظ ثناء تھے

ہر قدم پہ رکنا پڑا جو قدم اٹھایا
ہر سانس میں گویا وہی دو حرف ندا تھے

خاروں کا تقاضا سنا ساحر کی زباں سے
دامن پہ پڑی نظر تو واں تار قبا تھے

بلبل سے جو پوچھا کیا رونے کا سبب تو
ہر رنگ میں گل چیں کے نے جور و جفا تھے

زاہد سے ملاقات میں یہ ذکر بھی آیا
کچھ کہنا تو چاہتے تھے مگر آبلہ پا تھے

اک میں ہی نہیں حاضر، تہذیب کا مارا
اس پھندے میں پیچاں سبھی علماء و حکماء تھے

گو دختر دوراں نے کیا سب کو اشک بار
جو بچ گئے اس جال سے تو بس فقراء تھے

یاں اطلس و کمخواب کے اڑتے ہیں پھریرے
واں دختر پیمبر کے لئے دلق و ردا تھے

اشرف نہ ہوا زیر رقیبوں کی جفا سے
ہر وقت جو سر پر رہے عنقا و ہما تھے

تحت الخلف سید محمد امیر شاہ قادری الگیلانی

مصنف کے حالات

حضرت شیخ الحدیث صاحبزادہ

حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۰۱ھ تا ۱۳۷۶ھ

آپ کا اسم گرامی صاحبزادہ علی احمد جان صاحب، والد کا نام صاحبزادہ محمد عبد القیوم صاحب، لقب شیخ الحدیث، رئیس الواعظین ہے۔ آپ کا گھر حفظ قرآن اور علم و حکمت کا گھر تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے گھر میں عورتیں بھی قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ آپ نے بارہ برس کی عمر میں جناب حافظ خان محمد صاحب آسیہ والے سے قرآن مجید حفظ کر لیا اور تیرہ برس کی عمر میں تراویح میں قرآن پاک سنایا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ بچپن ہی سے آپ کو تحصیل علم کا شوق تھا حفظ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ابتدائی کتابیں صرف و نحو، منطق، اصول فقہ، فقہ اور دیگر کتب مولانا مولوی بجوڑ (۱) ملا صاحب سے پڑھ لیں ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد استاد الاساتذہ حضرت مولانا مولوی پیر علی شاہ صاحب ساکن ڈھکی نعلبندی کے خدمت میں حاضر ہوئے اور علوم متداولہ کو ان سے تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت محدث جلیل مولانا مولوی محمد ایوب صاحب صدر المدرسین مدرسہ جتاں کی خدمت میں حاضر ہو کر صحاح ستہ کا مکمل دورہ کیا اور ان سے سند حدیث حاصل کی، آپ کی سند حدیث مکّی تھی اور مسمیٰ تھی ثبت امیری سے۔

---

(۱) بجوڑ ملا صاحب پشاور شہر کے قریب بھانہ ماڑی کے باہر سکونت پذیر تھے۔ بہت ہی بڑے علامہ تھے۔ معقول و منقول میں اپنا جواب خود تھے۔ آپ کی قبر بھی ڈھیری باغبانان کے راستہ پر واقع ہے۔

علوم متداولہ کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ نے فن تحریر بھی اس وقت کے باکمال اساتذہ سے سیکھا چنانچہ اس فن میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا اس فن میں آپ کے استاد سید گوہر علی شاہ صاحب تھے۔

آپ کا یہ استاد اپنے فن میں یگانہ روزگار تھے۔ گرجا گھر پشاور میں جو تحریر ہے وہ بھی آپ کے استاد محترم کا شاہکار ہے درس نظامی کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر آپ نے سترہ برس کی عمر میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا آپ نے ملازمت اختیار کی ہوئی تھی یعنی آپ محافظ دفتر تھے اور اگر ملازمت کے سلسلہ میں کہیں باہر بھی تشریف لے گئے تو باقاعدہ درس و تدریس وعظ و نصیحت جاری رہتا ایک بار آپ کی تبدیلی شبقدر ہو گئی تو وہاں پر بھی شبقدر کی مسجد میں درس قرآن جاری کیا جمعہ کی نماز میں وعظ ارشاد فرماتے اور جب تک پشاور میں رہے تا آخری دم تک ضلع کچہری کے خطیب تھے باوجود ملازمت میں ہونے کے کبھی بھی آپ حق گوئی سے باز نہ آئے افسران اور حکومت کو ہمیشہ علی الاعلان ٹوکتے بلکہ آپ کی ا . سچائی پر آپ کے مکان کی تلاشی بھی لی گئی آپ سے جواب طلبیاں بھی کی گئیں مگر آپ کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی۔

شدھی سنگھٹن تحریک کے خلاف آپ نے حضرت امیر شریعت پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تمام ہندوستان کا سفر کیا' اور ہر مقام پر ہزارہا مخلوق کو وعظ و نصیحت فرمائی۔ تقریباً پانچ ماہ یہ سفر جاری رہا آپ کی انتھک مساعی اور پُر اثر مواعظ کو دیکھ کر آپ کو رئیس الواعظین کا لقب حضرت امیر شریعت نے عطا فرمایا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ یعنی امیر شریعت کے ہمراہ تقریباً پچاس کے قریب علماء تھے جو وعظ بیان کرتے۔ مگر جناب صاحبزادہ صاحب کے وعظ کا اتنا اثر ہوتا کہ ہر جگہ آپ ہی ان واعظین کے پیشرو ہوتے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے وعظ کے دوران

شوق و ذوق میں لوگ نعرہ ہائے "اللہ ہو" بلند کرتے اور لوگوں میں اتنی رقت ہوتی کہ بے ہوش ہو جاتے غرض یہ کہ آپ نے شدھی سنگھٹن تحریک کی نہایت ہی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور آپ کا یہ سفر بہت ہی کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ دین اسلام کے منصوبوں کو خائب و خاسر کیا آپ حقیقی طور پر پشاور شہر میں عقائد اہل سنت والجماعت کے داعی تھے آپ کے مزاج میں ہی نہیں بلکہ آپ کی رگ و پے میں حضور نورِ مجسم، سید الکائنات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت موجزن تھی ادب احترام کی وجہ سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی و اسم گرامی نہیں لیتے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسماء بیس بیس تک لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر فرماتے اور جب سید پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف میں منہمک ہوتے تو آپ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوتی اور اس کیفیت کا اثر سامعین پر بھی ہوتا آپ نے اپنے گھر کے سامنے مسجد شریف میں "مدرسہ تعلیم القرآن و الحدیث حنفیہ" قائم کر رکھا تھا عصر سے لے کر عشاء تک آپ بنفس نفیس اس دار العلوم میں درس فرماتے عصر سے لے کر مغرب تک حدیث شریف کا اور مغرب سے عشاء تک قرآن مجید کا درس ہوتا۔ تہجد کی نماز پڑھ کر آپ اپنی آبائی مسجد دھیری باغبانان تشریف لے جاتے صبح کی نماز وہاں ادا کرتے۔

پشاور شہر کا بچہ بچہ آپ کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا۔ آپ متواضع، ملنسار، منکسر المزاج، صاحب اخلاقِ حمیدہ اور انتہائی مہمان نواز تھے آپ کے درس میں علماء، صلحاء، امراء اور غرباء غرض یہ کہ ہر قسم کے لوگ آکر فیض حاصل کرتے۔ خلافت کی تحریک میں بھی آپ نے جناب حضرت مولانا مولوی سید مقبول شاہ صاحب کے ہمراہ خوب تن دہی سے حصہ لیا۔ اور پھر ہجرت کی تحریک میں خود غرض لوگوں کی وجہ سے آپ بددل ہو گئے، اور عملی طور پر سیاسیات

سے یکسوئی اختیار کر کے صرف اور صرف دینی تبلیغ اور تعلیم و تعلم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا آپ کے درس میں خان بہادر ڈاکٹر حکیم اللہ خان صاحب، خان بہادر نقشبند خان صاحب حضرت آقا سیدّ چن بادشاہ صاحب، جناب مولوی حافظ عبد الحمید صاحب، پروفیسر عبید الرحمن صاحب، جناب نصیر الدین پی۔اے ڈائریکٹر محکمہ تعلیم، جناب عبد الرشید صاحب ارشد، چیف انجینئر ٹیلیفون، جناب مشتاق احمد صاحب صدیقی بی۔اے، حافظ تاج محمد صاحب، جناب غلام سرور صاحب سپرنٹینڈنٹ محکمہ کیمٹرولر وغیرہ شامل ہوئے اور قرآن و حدیث سے وافر حصہ پایا آپ کے درس کی برکت ہے، کہ اب تک آپ کے شاگردوں میں تبلیغ دین اور اشاعت قرآن وسنت کا جذبہ ولگن موجود ہے۔ جو بھی جہاں ہے حسب المقدور دین محمدی کی خدمت کرتا ہے۔

پشاور شہر میں مجلس سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیاد رکھنے والوں میں آپ کی ذات ستودہ صفات پیش پیش تھی جب اس مجلس پر اہل حدیث حضرات کا غلبہ ہوا تو آپ نے شاہی مہمان خانہ میں ایک نہایت ہی عظیم الشان اجتماع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف پر تقریر کر کے اس مجلس سے علیحدگی اختیار کی، اور پھر مجلس میلاد کے اہتمام میلاد شریف کے موقعہ پر جلوس کا اہتمام کروایا۔ پہلا جلوس ۱۳۴۲ھ میں اس فقیر کے زیر اہتمام یکہ توت سے نکلا جو رات کے نو بجے آپ کے دولت کدہ پر ختم ہوا اور پھر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلسہ ہوا یہ آپ ہی کے جذبہ صادقہ کی برکت ہے کہ آج پشاور میں ہر ایک محلہ اور کوچہ میں میلاد شریف منائی جارہی ہے۔ اس کی بنیاد آپ ہی رکھنے والے ہیں بلکہ اب تو ربیع الاول شریف کا تمام مہینہ میلاد شریف کے جلسوں میں گزر جاتا ہے آپ نے صرف درس و تدریس مواعظ کے ذریعے ہی تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ تحریر کے ذریعہ بھی دین حق کی اشاعت کی آپ نے پشاور شہر میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کے ذریعہ اسلام کے بنیادی احکام عوام تک پہنچانے

چنانچہ آپ نے احکام شب برات، فضیلت رمضان، سراج المشکوٰۃ فی مسائل زکوٰۃ رسائل لکھ کر شائع کئے سراج المشکوٰۃ کا بنگالی زبان میں آپ کے ایک شاگرد آغا محمد جان نے ترجمہ کروا کے بھی شائع کیا حدیث شریف کے درس کے دوران اصول حدیث پر حضرت شاہ محمد غوث صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ اصول حدیث آپ نے شامل درس فرمایا تھا اس کا ترجمہ نہایت ہی اعلیٰ فرمایا۔ اور اس فقیر نے اسے شائع بھی کر دیا ہے۔ آپ نے قرآن پاک کا حاشیہ بھی تحریر کرنا شروع کیا تھا مگر پورا نہ ہو سکا۔

آپ کو جو بھی استفتاء آتا اس پر فقہ حنفی کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرماتے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی فقاہت اور استنباطِ مسائل کا علم بھی اس وقت ہوتا ہے جبکہ ان فتووں کا مطالعہ کرے جو آپ نے وقتاً فوقتاً دیے۔ ایک بار آپ کو تپ محرقہ کا حملہ ہوا اور بہت شدید تھا۔ ڈاکٹر، حکیم، دوست احباب، شاگرد، آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ آپ پر نیم بے ہوشی سی طاری تھی، ذرا سنبھل گئے اور فرمایا کہ میں اس بیماری سے نہیں مرتا کیونکہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دس برس تجھے اور زندگی دے دی گئی ہے، چنانچہ آپ دس برس تک زندہ رہے۔

ایک بار میں حدیث شریف آپ کے سامنے بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ آپ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارا یہ حدیث شریف کا پڑھنا سن رہے تھے اور بہت خوش تھے، ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

آخری ایام میں تو آپ بالکل از خود رفتہ ہو گئے تھے اپنی ہستی کو فراموش کر دیا تھا اور ذات مبارک سید دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہر وقت مراقب رہتے۔

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ میں یہ علم و معرفت کا آفتاب غروب ہو گیا اور اپنے آبائی قبرستان میں ۱۴ رمضان المبارک کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

شیخ الحدیث حافظ علی احمد جان صاحب۔

زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت

اسلام کے پانچ ارکان جنہیں بناء الاسلام کہا جاتا ہے یعنی کلمہ طیبہ، لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج میں سے زکوٰۃ تیسرا رکن ہے اس کے لغوی معنیٰ پاک ہونے، پاک کرنے اور بڑھنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں چالیسواں حصہ مال نصاب کا، پورا قمری سال گزرنے پر مستحقین کو خدا کی راہ میں تقسیم کر کے اس مال کے مالک بنا دینے کا نام زکوٰۃ ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ پابندی احکام کے ساتھ پوری ادا کرتے ہیں ان کے مالوں میں کبھی خسارہ نہیں پڑتا بلکہ بڑھتا جاتا ہے حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ "زکوٰۃ نکالنے سے مال نہیں گھٹتا۔"

زکوٰۃ نہ نکالنے والوں کے مالوں میں بسا اوقات ... تباہی اور غرقابی دیکھی جاتی ہے چونکہ اس سے مال بڑھتا اور پاک ہوتا ہے اس کا دینے والا ... سے صاف ہو کر درجات و ثواب میں بہت بڑھ جاتا ہے، اس لئے اس کو زکوٰۃ کہا گیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اسے "صدقہ" بھی کہا گیا ہے وہ اس لئے کہ مسلمان کے لئے دعویٰ صحت ایمان میں اس کی ادائیگی اس کے صدق و صداقت اور کامل الایمان ہونے کی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں اس کی ادائیگی کا ذکر اور تاکید بقول اکثر فقہاء ۸۲ جگہ اور بہ حوالہ بیان طحطاوی نماز و زکوٰۃ کا ملا ہوا حکم ۳۲ جگہ بتاکید آیا ہے اتنی تاکید اور کثرت کے ساتھ احکام نافذ فرمانے سے اس کی اہمیت، شان اور وقعت کا اندازہ ہو سکتا ہے طحطاوی نے یہ پھر بھی لکھا ہے کہ نماز کے بعد باقی تمام عبادات میں یہ عبادت افضل اور بہتر ہے۔

"ذُکِرَتْ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ لِاَنَّھَا اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ"

قرآن کریم میں پہلے ہی پارہ سے اس کا ذکر شروع ہوتا ہے اور تقویٰ دار پرہیز گاروں کے لئے ایمان بالغیب کی صفت فرما کر دو بنیادی اصول قائم فرمائے گئے۔

(۱) یقیمون الصلوٰۃ (۲) ومما رزقنٰھم ینفقون۔

صاحب اعظم التفاسیر نے لکھا ہے کہ ان سے مراد عبادت بدنی اور عبادت مالی ہے تمام بدنی عبادتوں میں سب سے ضروری اور سب پر مقدم عبادت نماز ہے حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن پہلے محاسبہ نماز کا ہوگا

روز محشر کہ جاں گداز بود　　　اولین پرسش نماز بود

دوسرا شعبہ مالی عبادتوں کا ہے جن میں انفاق یعنی خرچ کرنے کا حکم ہے ان مالی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت زکوٰۃ ہے۔ حدیث شریف میں نماز کو ستون دین اور زکوٰۃ کو اسلام کا پل بتلایا گیا ہے۔

اَلصَّلوٰۃُ عِمَادُ الدِّین وَ الزَّکوٰۃُ قَنطَرۃُ الاسلَام

دیکھئے ایک ستون ٹوٹ جانے سے چھت کا بچ رہنا ممکنات سے ہو سکتا ہے لیکن پل ٹوٹ جانے سے بچاؤ کی صورت بہت ہی مشکل پڑ جاتی ہے

ازیں سیل گاہم چناں درگزار　　　کہ پل نشکند بر من ایں رودبار

جو لوگ سیم و زر جمع کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کے لئے قران حکیم نے ایک غضبناک لہجہ میں فبشرھم بعذاب الیم فرمایا ہے یعنی انہیں عذاب دردناک کی بشارت دیجیے پھر ارشاد عالی ہے کہ جس دن اسکو جہنم کی آگ پر گرم کر کے انگارہ بنایا جائے گا پھر ان (مانعین زکوٰۃ) کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جا کر کہا جائے گا کہ "یہ تمہارا وہی جمع کیا ہوا مال ہے جو اپنے نفسوں کے لئے جمع کر رکھا تھا

اب اس جمع کی ہوئی دولت و خزانہ کا خوب عذاب و مزہ چکھو"۔ (قرآن حکیم پارہ ۱۰ رکوع ۱۱/۱)

حدیث شریف کی کتابوں میں ایک طویل حدیث مبارک بروایت حضرت ابی هریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدیں خلاصہ آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے قیامت کے دن اس کے مال سے سونے، چاندی کے تختے آگ میں ایسے گرم کئے جائیں گے گویا آگ ہی کے بنے ہوئے ہیں پھر اس مالدار کی پیشانی، پیٹھ اور پہلوؤں کو داغا جائے گا داغنے کے بعد پھر اس مال کو دوبارہ تاپ کر داغ دیئے جاتے رہیں گے۔ اس قیامت کے دن میں جو پچاس ہزار سال کا ہو گا۔

کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (القرآن الحکیم)

عرض کی گئی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اونٹ، گائے اور بکریوں کے مالک کا کیا حال ہو گا؟ تو ارشاد ہوا کہ "ان میں زکوٰۃ نہ دینے والے مالک کو منہ کے بل اوندھا گرا کر ہر ایک جانور کو پوری طاقت اور جسامت کے ساتھ ان کے اوپر سے گزرنے کا حکم دے کر ان لوگوں کو لتاڑا جائے گا"۔

جب سائل نے گھوڑوں کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ "گھوڑے تین طرح کے ہوتے ہیں ایک قسم کے گھوڑے تو باعث گناہ، دوسرے باعث حیا و پردہ اور تیسرے قسم کے گھوڑے باعث ثواب و اجر ہیں۔ ریا و نمود نیز مسلمانوں کی دشمنی کے لئے جو شخص گھوڑے باندھتا ہے تو ایسے گھوڑے اس کے لئے وبال جان اور باعث گناہ ہوں گے۔

اور جو گھوڑے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی راہ محبت میں نیک نیتی کے ساتھ باندھے ہوں جن پر سوار ہو کر تجارت، جہاد یا اپنی زمینوں پر سفر کرتا ہے، لوگوں پر اپنی آسودہ حالی اور عدم افلاس ظاہر کرنے کی خاطر باندھ رکھے ہوں ایسے گھوڑے مالک کے لئے باعث پردہ ہوتے ہیں۔۔۔۔

۔۔۔ فرمایا کہ وہ گھوڑے جو مسلمانوں کے لئے راہ خدا میں چراگاہ میں باندھ رکھے تو یہ گھوڑے

باعث اجر و درجات ہیں۔ ان گھوڑوں کی ہر نقل و حرکت، چلنا، چرنا، کھانا پینا ہر ایک میں مقدار کھانے پینے چرنے وغیرہ کے مالک کے لئے درجات اور ثواب لکھا جاتا ہے۔ (مشکوۃ کتاب الزکوۃ)

ایک اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور وہ ان میں سے زکوۃ ادا نہیں کرتا تو

مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ

بنایا جائے گا اس کے لئے اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ جس کی آنکھوں پر دو کالے ٹیکے یعنی داغ ہوں گے (اس قسم کا سانپ بھیانک، اور سخت خطرناک ہوتا ہے) یہ سانپ مانع زکوۃ کے گلے میں طوق بن کر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کرکے گا میں ہی تیرا مال ہوں میں ہی تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اٰتٰھم اللہ من فضلہٖ ھو خیرا لھم بل ھوا شرالھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ

(صحیح البخاری پارہ ۶ باب اثم مانع الزکوۃ)

یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال دیا ہو اور وہ اس کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہوں تو یہ بخیلی اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں بلکہ اس کے لئے (بلا زکوۃ) مال جمع کرنا بہت ہی برا ہے جو مال اللہ کی راہ میں دینے سے وہ بخیلی کرتے ہوں تو قریب ہے کہ قیامت کے دن وہ ان کے گلے کا ہار بنایا جائے گا" (القرآن الحکیم پارہ ۴)

جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بھری مجلس میں کڑک کر فرمایا

بشر الکانزین برضف یحمیٰ علیہ فی نار جہنم ثم یوضع علی حلمۃ

ثدی احمد هم حتی یخرج من نغض کتفہ و یوضع علی نغض کتفہ حتی یخرج من حلمۃ ثدیہ یتزلزل

"مال جمع کر کے رکھنے والوں کو بشارت ہو کہ ایک پتھر جہنم کی آگ میں سینک کر اس کی چھاتی کی بھٹنی (منہ) پر رکھ دیا جائے گا وہ اس کے مونڈھے کے اوپر والی ہڈی سے پار ہو جائے گا اور اس کے مونڈھے کے اوپر والی ہڈی پر رکھا جائے گا اور وہ چھاتی کی بھٹنی سے پار ہو جائے گا اسی طرح وہ پتھر ڈھلکتا رہے گا"۔

جب یہ فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیحدہ ہو کر ایک ستون کے پاس جا بیٹھے تو احنف بن قیس (راوی حدیث) جو ان کو نہ پہچانتے تھے ان کے پاس آئے اور کہا کہ "آپ کی سخت باتوں سے لوگ ناراض ہو گئے ہیں" اس پر ابوذر نے فرمایا "کہ یہ لوگ تو بے وقوف ہیں مجھے میرے جانی دوست نے فرمایا ہوا ہے کہ اگر میرے پاس احد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو تو صرف تین اشرفیاں رکھ کر (شاید اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ قرضہ ہو) باقی سب اللہ کی راہ میں دے دوں یہ لوگ تو بے عقل ہیں۔ دنیا جمع کرتے پھرتے ہیں"۔ جب راوی نے پوچھا کہ "آپ کے جانی دوست کون ہیں جنہوں نے یہ کہا" تو ابوذر نے فرمایا "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

(بخاری شریف پارہ ۶ باب ما ادی زکوٰۃ فلیس بکنز)

صاحب نصاب کو ان آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی پکڑ سے ہمیشہ ڈرتے رہ کر عمل کرنا چاہیے۔ خدا کریم و برتر اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے اس رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قیامت کے دن روسیاہی اور شرمندگی سے بچائے۔ دنیا میں اس سے زیادہ ذلت اور عاقبت میں اس سے بڑھ کر ندامت اور کیا ہو گی کہ آقائے کریم مولائے رحیم کے سامنے فریاد کریں کہ

"یا ربّ ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً (القرآن کریم)

میرے رب میری قوم اس قرآن شریف کو چھوڑ بیٹھی تھی" اس انفعال اور خجالت سے ڈرتے ہوئے مفکر اسلام اقبال مرحوم نے کیا ہی عمدہ لکھا ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پزیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

عہد خلافت صدیقی کا ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں عربوں نے فتنہ ارتداد قائم کر کے زکوٰۃ دینے سے کھلم کھلا انکار کر دیا تو وہ اسلام اور خلافت اولیٰ کے ابتدائی ایام تھے اور سیاست وقت اس امر کی متقاضی تھی کہ تحمل و بردباری سے کام لیا جائے لیکن خدا کے پیارے محبوب کے رفیق فی الغار الصدیق نے والہانہ جذبات کے ساتھ فوراً اس قوم پر جہاد کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ

لو منعونی عقالاً لجاھد لھم علیہ

یعنی "اگر انہوں نے اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی یا ایک سالہ بچہ اونٹ و بکری کا مال زکوٰۃ میں دینے سے انکار کیا تو میں اس کے ساتھ جہاد کروں گا"۔ اب واقعات سے احکام کی شدت صحابہ کرام کی استقامت کا اندازہ کیجیے اور پھر خیال کیجیے کہ مسلمان، دنیا کے جنجالوں میں پھنسے ہوئے اس فرض موقت اور ضروری حکم کی تعمیل سے کس قدر غفلت اور سستی میں پڑے ہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں

ابر ناید از پے منع زکوٰۃ وز زنا افتد وبا اندر جہات

علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ زکوٰۃ کا منکر کافر، تارک سخت گناہگار اور نہ دینے والا مستحق قتل ہو جاتا ہے (عمدۃ الرعایۃ)

چند ضروری اصطلاحات شریعہ جن کا سمجھنا اور یاد رکھنا ضروریات دین میں سے ہے وہ درجہ ذیل ہیں اس کے بعد مختصر مسائل پر بحث کی جائے گی۔

زکوٰۃ :- آپ اس کے لغوی اور شرعی معنی ابتدائے عنوان کے صفحہ تین میں پڑھ چکے ہیں عام طور پر اس کو "نما" کے معنی میں بولا جاتا ہے جس کا معنی "بڑھنا" ہے چونکہ قیامت میں ثواب اور دنیا میں مال و دولت بڑھنے کا سبب ہے لہٰذا اسے زکوٰۃ کہا گیا ہے (مظاہر الحق جلد دوم صفحہ ۸۶)

یہ کب فرض ہوئی :- بقول شارح مشکوٰۃ المصابیح یکم ماہ رمضان المبارک ۲ ھجری میں فرض ہوئی دراصل یہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی پھر اس کی تفصیل، تعمیل اور مفصل بیان مدینہ منورہ میں ہوا (مظاہر الحق جلد دوم) صاحب درِ مختار نے ۲ ھجری رمضان مبارک کی فرضیت سے پہلے اس کی فرضیت لکھی ہے۔

نصاب :- لغت میں "اصل" کو کہتے ہیں شریعت میں مال کی وہ مقدار نصاب ہے جس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہ ہو یعنی حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خاص مقدار مال رکھنے کی مقرر فرما کر حکم دیا ہو کہ جب اتنی مقدار سے مال بڑھ جائے تو اس مال پر اتنی رقم، اس مقدار میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکال کر مستحقین پر تقسیم کر دینا چاہیے۔ جس شخص کے پاس مال نصاب ہو جائے تو اس شخص کو مالک یا صاحب نصاب کہا جاتا ہے۔ یہ نصاب دو قسم پر ہے جس کی تفصیل نقشہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

نصاب

نامی

وہ مال جو کہ بڑھنے والا ہو یہ دو قسم کا ہے

حقیقی	تقدیری
سوداگری کا مال جو کہ نفع میں بڑھ جاتا ہے یا جانور جو سبب بچوں کے بڑھتے ہیں یہ نصاب نامی کی قسم حقیقی ہے	سونا، چاندی جو کہ بظاہر تو نہیں بڑھتے لیکن بڑھنے کی صلاحیت ان میں موجود ہے

غیر نامی

نہ بڑھنے والے مال کو کہتے ہیں جو حاجت اصلی کے سوا ہو جیسے مکان، اسباب وغیرہ

نصاب نامی کے ہونے سے زکوٰۃ دینا فرض اور صدقہ فطر و قربانی کا کرنا واجب ہو جاتا ہے صاحب نصاب نامی کو زکوٰۃ، خیرات، نذر یا صدقات واجبہ کا لینا درست نہیں۔

صاحب نصاب غیر نامی پر زکوٰۃ تو فرض نہیں لیکن صدقہ فطر اور قربانی کا کرنا واجب ہے صدقات واجبہ اور زکوٰۃ کا لینا بھی اسے جائز نہیں

زکوٰۃ کی فرضیت کی شرطیں:- زکوٰۃ کی فرضیت کی شرائط میں نیت کا کرنا ضروری شرط ہے خواہ یہ نیت مال زکوٰۃ کے نکالنے کے وقت ہی کرے یا ادا کرنے کے وقت نیت کرلے دونوں صورتیں درست ہیں۔ اسی طرح اسلام، حریت مکلف نصاب نامی کا ہونا بھی شرط ہے۔ اسلام کی شرط کا یہ مستفاد ہے کہ جس طرح اسلام وجوبِ زکوٰۃ کے لئے شرط ہے اسی طرح بقائے زکوٰۃ کے لئے بھی شرط ہے فرض کرو کہ ایک مسلمان صاحب نصاب (معاذ اللہ) مرتد ہو جاتا ہے۔ دو تین سال کے بعد پھر توبہ کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام بن جاتا ہے تو ایام ارتداد کی زکوٰۃ اس سے ساقط

رہے گی۔ (عالمگیری)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کریم و غنی کو مرتد خبیث کے مال کی ضرورت نہیں وہ مرتد خود پلید تھا۔ اللہ تعالیٰ غنی و حمید ہے اسے پلید کے پلید مال کی ضرورت نہیں۔ مکلف سے مراد عاقل و بالغ ہے۔ پس حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجنوں اور نابالغ لڑکے کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ امام مالک، امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ان کے ولی کو ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے بشرطیکہ وہ نصابی رقم، ضروریات خاصہ یعنی حاجت اصلی سے فارغ ہو اس صورت میں زکوٰۃ لازم آئے گی ورنہ نہیں۔

نصاب نامی کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہ بھی وجوب زکوٰۃ کی شرط ہے۔ حریت کی شرط سے یہ ثابت ہے کہ غلام پر زکوٰۃ نہیں۔ غلام میں قن مدبر، مکاتب اور ام ولد سب شامل ہیں جن پر زکوٰۃ نہیں قن اس غلام کو کہتے ہیں جس کے مالک نے اسے لکھ دیا ہو کہ میری وفات کے بعد تو آزاد ہے۔ مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کے مالک نے اسے لکھ دیا ہو کہ اگر تو اس قدر رقم کما کر ادا کر دے تو تجھے آزاد کروں گا۔ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس نے اپنے آقا سے اولاد جنی ہو۔

چونکہ ہمارے موجودہ وقت اور ماحول میں حریت اور غلامی کی صورتیں تقریباً مفقود ہیں اس لئے اس خصوص میں مزید بحث نہیں کی جاتی صرف ان شرعی اصطلاحی الفاظ کا سمجھنا ضروری ہے جن پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حاجت اصلی کا ذکر:- آپ نصاب غیر نامی اور بحث مکلف میں حاجت اصلی کا نام پڑھ چکے ہیں اس لئے اسے بھی سمجھنا ضروری ہے جو مال اصلی حاجتوں میں لگا ہوا ہے جیسے کپڑے (۱) وغیرہ یا دین (۲) پہلے کو تحقیقی اور دوسرے کو تقدیری کہتے ہیں یہ حاجت اصلی ہے سکونتی مکان،

گھر کا اسباب، بدن کے کپڑے، سوٹ بوٹ، سواری کا جانور، موٹر، سائیکل، خدمت کا غلام استعمال کے ہتھیار، عالم کے لئے اس کا کتب خانہ (لائبریریاں) صنعت وحرفت پیشہ لوگوں کے لئے ان کے اوزار، ڈاکٹروں کے قیمتی آلات وغیرہ یہ سب حاجت اصلی میں داخل ہیں جن پر زکوٰۃ نہیں ہوتی (ہدایہ ملخصا)

لیکن اگر ایسی چیزیں حاجت اصلی سے فارغ بھی ہوں مگر ان میں تجارت کی نیت نہ ہو خواہ کتنے ہی مکانات، دکانیں وغیرہ ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں البتہ اگر یہ چیزیں فارغ از حوائج اصلی بنیت تجارت رکھی ہوں تو ان میں زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے اسی طرح مال ضمار میں بھی زکوٰۃ دینی نہیں پڑتی کیونکہ اس کی ملکیت تو آپ کے لئے ثابت ہے لیکن وہ آپ کے تصرف میں نہیں۔

مال ضمار کا بیان:- اس مال کو کہتے ہیں جس تک مالک کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا ہو یعنی مال ضمار وہ مال ہے جو مالک کے پاس نہیں بلکہ غائب ہے اور اس کے ملنے کی امید منقطع ہو چکی ہو، اس کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ جو مال جاتا رہا یعنی گم ہو گیا۔

۲۔ جنگل یا کسی بیابان میں دفن کر کے بھول گیا

۳۔ مال دریا میں ڈوب کر کئی سال بعد برآمد ہوا ہو۔ (عمدۃ الرعایہ)

۴۔ کسی نے غصب کر لیا ہو اور اس پر گواہ نہ ہوں۔

۵۔ ظالم نے بطور ڈنڈ (یعنی جرمانہ یا تاوان) لے لیا ہو اور پھر وہ مال برسوں بعد ملا ہو اس صورت کو فقہائے کرام مصادرۃ کہتے ہیں وہ یہ صورت ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا سے بطور تاوان جرم مال وصول کرے اگر ایسا مال مل جائے تو اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ

واجب نہیں (عمدۃ الرعایہ)

۲۔ کوئی قرضدار آپ کے قرضہ کا منکر ہو جائے۔ گواہ بھی نہ ہوں۔ مدیون (یعنی مقروض) مدتوں انکار کرتا رہا۔ اچانک قوم کے سامنے اقرار کر لیا ان سب صورتوں میں جو مال مالک کے پاس غیر موجود رہا وہ مال ضمار ہے۔

ان میں سے مال مندرجہ شق نمبر دوئم یعنی وہ مال جو کہیں دفن کر کے بھول گیا ہو جس وقت بھی دستیاب ہو جائے اس پر پچھلے دنوں کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ البتہ اپنے گھر یا باغ میں دفن کر کے بھول گیا ہو تو اس پر پچھلے ان سالوں کی زکوٰۃ لازم ہو جائے گی جن سالوں میں مال نامعلوم رہا۔ کیونکہ اس صورت میں فقہاء اس کو مال ضمار تصور نہیں کرتے۔ (عمدۃ الرعایہ) واللہ اعلم۔ اس شق کے علاوہ باقی صورتوں کا گیا ہوا مال جب دستیاب ہو جائے تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جن سالوں میں مال ہاتھ میں نہ تھا۔ زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ اس کے برخلاف ہے (شرح وقایہ)

دیگر مستثنیات زکوٰۃ یعنی وہ چیزیں جن میں زکوٰۃ فرض نہیں

جواہرات تانبے پیتل، گلٹ کے برتنوں اور دکانات کرایہ میں جن میں تجارت کی نیت نہ ہو زکوٰۃ معاف ہے مرہونہ یعنی گروی چیزوں میں بھی ایام رہن کی زکوٰۃ نہیں، مثلاً زید نے بکر کے پاس کچھ زیورات گرو رکھے پھر دو سال کے بعد فک کرائے (یعنی ان زیورات کو چھڑا لیا) ان دو سالوں کی بابت راہن (یعنی گرو رکھنے والا) اور مرتہن (وہ شخص جس کے پاس کوئی چیز گرو رکھی جائے) دونوں پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ (ہدایہ)

مسئلہ:۔ اگر کچھ مال تجارت کی نیت سے خریدا لیکن خریدنے کے بعد سال دو سال تک اس پر قبضہ نہ ہوا۔ جیسا کہ آج کل بحری تجارتوں میں مدتوں مال نہیں پہنچتا۔ تو تاوقتیکہ وہ معطل مال

قبضہ میں نہ آجائے۔ زکوٰۃ واجب الادا نہیں ہے (شرح وقایہ)

فقیر راقم الحروف کے نزدیک (اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے) اس میں جی پی فنڈ کی رقم بھی شامل ہو سکتی ہے جو کہ تاحیات یا تااختتام ملازمت سرکار کے پاس محفوظ رہتی ہے ایام تعویق و التوا کی زکوٰۃ واجب نہیں واللہ اعلم اسی طرح بندوں کے قرضوں پر بقدر رقم قرضہ زکوٰۃ نہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے قرضوں پر زکوٰۃ ہوتی ہے اور وہ ایسے قرضے ہیں جن کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہیں ہو سکتا ہے مثلاً نذر، کفارہ، صدقہ فطر وغیرہ (شرح وقایہ)

بندوں کے قرضہ کی مثال یہ ہے کہ اگر آپ زید کے دو سو روپوں کے قرضدار ہیں اور آپ کے پاس نقد دو سو روپے موجود ہیں تو آپ اس کی زکوٰۃ دیں گے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں

"من کان علیہ دین یُحیط بِمالہ فلا زکوٰۃ علیہ"

اگر قرضہ کی رقم محسوب (حساب کی گئی) کرنے کے بعد باقی مال نصاب سے کم رہ جائے تو وہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ آپ کے پاس ۱۳۰ روپے تھے اور ۱۰۰ روپیہ قرضہ۔ قرض کی رقم مجرا (یعنی کٹوتی) کرنے کے بعد باقی ۳۰ روپے پر زکوٰۃ ہو گی کیونکہ ۳۰ روپے نصاب میں نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر آپ کا کسی پر قرضہ ہے یعنی آپ قرض خواہ ہیں آپ کا قرض دینے والا خواہ تونگر ہو خواہ مفلس ہو قرضہ کی ادائیگی مانتا ہو خواہ نہیں البتہ اس قرضہ پر گواہ موجود ہوں یا قاضی وقت کو اس کا علم ہو تو ایسے قرضے پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ البتہ اس قسم کے قرضے کی مختلف صورتیں اور ادائیگی زکوٰۃ کے مختلف طریقے ہیں۔

شارح مشکوٰۃ المصابیح نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر ایسا قرضہ مال تجارت کے بدلہ میں ہو تو جس وقت نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو پچھلے دنوں کی زکوٰۃ ادا کر دینی چاہیے۔ اگر یہ قرضہ بعوض مال تجارت کے نہیں مثلاً گھر کے پہننے کے کپڑے خدمت کا غلام یا سکونتی مکان

وغیرہ فروخت کر دیا اور خریدار کے ذمہ رقم قرض رہ گئی تو جس وقت بقدر نصاب (دو سو درہم) رقم وصول ہو اس وقت پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہو گی۔ اگر قرضہ بدل بلا مال کے ہو مثلاً مہر، وصیت بدل خلع تو اس میں ایام تعطلہ کی زکوٰۃ نہیں جس وقت ایسی رقوم بقدر نصاب وصول ہوں اور ان پر سال کامل گذر جائے تو زکوٰۃ واجب الادا ہو گی، ورنہ نہیں۔ (مظاہر حق جلد دوم کتاب الزکوٰۃ)

مسئلہ:- اگر کسی یتیم کو ادائے زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلایا تو زکوٰۃ کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی۔ لیکن اگر کھانے کی چیز۔ مثلاً فروٹ وغیرہ خرید کر یتیم کے حوالے کر دیا تو زکوٰۃ میں مجرا (کٹوتی) ہو سکے گی پہلی صورت میں آپ نے یتیم کے لئے مال مباح کیا جو محسوب نہ ہوا۔ دوسری صورت میں فروٹ خرید کر اس کے حوالے کر دینا تملیک ہے چونکہ تملیک یعنی حق دار کو اس چیز کا مالک کر دینا زکوٰۃ کا ایک رکن ہے اس لئے اس نے کفایت کی۔

اباحت اور تملیک کا فرق:- اباحت اور تملیک میں یہ فرق ہے کہ اباحت سے کسی چیز کا کام میں لانا مباح ہو جاتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس مال میں اپنا تصرف کر سکے آپ نے یتیم کو دستر خوان پر بٹھا کر اوروں کے ساتھ کھانا کھلا دیا اس میں یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ یتیم جسے چاہے لا کر اپنے ساتھ کھانا کھلا دے یا وہ طعام اس کو دے دے جبکہ تملیک میں مالکانہ حقوق کے ساتھ اسے ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہو جاتا ہے اس باریک مسئلہ کو یاد رکھنا چاہیے اب مستحقین زکوٰۃ کا مختصر ذکر سنیں جن کو مال زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔

مستحقین زکوٰۃ جن میں زکوٰۃ بانٹی جائے:- قرآن حکیم میں مستحقین زکوٰۃ کی جماعت آٹھ افراد پر منقسم ہے۔

انما الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم

وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰہ وابن السبیل (سورۃ التوبہ آیۃ ۶۰)

ترجمہ:

فقراء مساکین:- ان کی تفصیل آگے آئے گی۔

عاملین: یعنی وہ لوگ جو مال خیرات وصول کرنے میں تعینات ہوں یعنی عملہ کارکنان۔

مؤلفۃ القلوب:- وہ لوگ جن کی تالیف قلوب ضروری تھی یعنی مسلمان تو تھے لیکن ابھی نیتوں کے صاف نہ تھے۔

رقاب:- قید یا غلامی سے غلاموں کی گردنیں چھڑانے میں مطلب یہ کہ جو لونڈی، غلام اپنے آقا کے لئے کچھ رقم مقرر کر کے اپنے تئیں خرید لے یعنی اپنے مالک کی رضامندی سے اپنی قیمت کا متکفل (ضامن) ہوا ہو کہ اس قدر رقم ادا کر کے اپنے آپ کو آزاد کرائے گا۔ ایسے غلام کو مکاتب کہتے ہیں اور صاحب نصاب لوگوں کو اس معین رقم کی ادائیگی میں مال زکوٰۃ سے مدد کرنے کا حکم ہے۔

غارمین:- مفلس، قرضدار

فی سبیل اللّٰہ:- اس میں وہ مجاہدین شامل ہیں جو فقر کی وجہ سے یا سواری وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے لشکر اسلام کے ساتھ نہ مل سکتے ہوں یا وہ علماء و طلبا جو دین کی تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے ہوں صاحب اعظم التفاسیر نے لکھا ہے کہ پل، سرائے وغیرہ میں بھی صرف کرنا راہ خدا میں ہے اور صاحب غایۃ الاوطار نے بحوالہ بدائع اور شامی لکھا ہے کہ کل تقربات اور خیرات اور ہر وہ محتاج شخص جو خدا تعالیٰ کی اطاعت میں اور سبیل میں سعی کرے اس میں داخل ہے کیونکہ یہ اختلاف حکم میں نہیں ہے بلکہ لفظاً اختلاف ہے کہ اگر کوئی فی سبیل اللّٰہ وقف یا نذر یا وصیت کرے تو کیا مراد ہونی چاہیے پس بشرط احتیاج ان سب کو دینا جائز ہے خواہ وہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم اسی

لئے شارح در مختار نے بحوالہ طحطاوی طالب علم کو فقیر کے ساتھ مقید کر کے اسے زکوٰۃ وغیرہ کے سوال کی اجازت و رخصت دینے کے لئے لکھا ہے خواہ وہ کسب پر بھی قادر ہو فقیر مولف کے نزدیک (خدائے تعالیٰ اسے معاف فرمائے) پل، سبیل، سڑک وغیرہ پر خرچ کرنا مصرف زکوٰۃ کے لئے صحیح نہیں کیونکہ ان میں تملیک نہیں ہے جیسا صاحب غایۃ الاوطار نے بحوالہ شامی درج کیا ہے۔ واللہ اعلم

ابن السبیل وہ مسافر ہے جس کی ملک میں مال تو ہے لیکن اس کے ساتھ یا پاس نہ ہو۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جن پر زکوٰۃ کا مال بقدر مناسب تقسیم کرنا چاہیے ان میں سے مولفۃ القلوب کے متعلق بہت بحث ہے صحابہ کرام اور علماء راسخین فی العلم نے اس مصرف کی شق کو ساقط قرار دیا ہے اس کی اصلیت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ لوگ تین طرح پر تھے۔

ایک تو وہ کفار تھے جنہیں استمالت اور ایمان میں داخل ہونے پر استقامت کے طور پر مال دیا جاتا تھا دوسرے وہ کفار تھے جو ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھا ان کی ایذا و مضرت کو دور کرنے کے لئے انسداداً ایسا کیا جاتا تھا۔ تیسرے قسم کے وہ چند ضعیف الاعتقاد رسمی مسلمان تھے جو ابھی برکات و فیوضات اسلام سے بہرہ ور نہ تھے ان کی مسلمانی ایسی تھی کہ

ومن النّاس من یّعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیر ن اطمانّ بہٖ و ان اصابتہ فتنۃ ن انقلب وجھہٖ (سورۃ الحج آیت ۱۱) لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کنارہ پر رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے سو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچ جائے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کچھ تکلیف ہو گی تو اپنے منہ کے بل الٹا پھر جاتا ہے" یہ لوگ ضعیف الایمان تھے ان کے ثابت قدم رہنے اور حفظ

ماتقدم کے طور پر غلبہ اسلام کے لئے انہیں مال دیا جاتا تھا جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام کا بول بالا اور مجاہدانہ عزم پیدا ہو کر الیوم اکملت لکم دینکم سے تکمیل دین ہو چکی تو اس مصرف کے لئے اس مستحقین کو ساقط کر دیا گیا جس کا مفصل ذکر کتب احادیث اور فقہ میں موجود ہے (عمدۃ الرعایہ۔ فعلی ذلک انعقد الاجماع) اب اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ (ہدایہ)

فقیر و مسکین کا فرق:- فقیر وہ ہے جو مقدار نصاب سے کم مال رکھتا ہو یا غیر نامی نصاب کے برابر مالدار ہو (نامی و غیر نامی کی تشریح صفحہ نمبر میں گذر چکی ہے) اور یہ سامان غیر نامی مستغرق فی الحاجات یعنی کام میں لگا ہوا ہو (عمدۃ الرعایہ) صاحب تفسیر اعظم نے لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک فقیر وہ ہے جو اس لئے [illegible] کرے [illegible] وقت کا کفاف معیشت (نان و نفقہ) رکھتا ہو یہی مذہب حضرت امام احمد کا ہے۔ مسکین [illegible] ہے جو کچھ بھی نہ رکھتا ہو (شرح قدوری وغیرہ)

فقیر و مسکین کے امتیاز میں علمی طبقہ کے درمیان ایک لطیف بحث ہے جس کا مختصر ذکر دلچسپی سے خالی نہیں فقیر و مسکین دونوں لفظ بسلسلہ عطف و معطوف کلام قدس عزاسمہ میں بیان فرمائے گئے ہیں اس لئے مستحقین زکوٰۃ اور اس کے مصرف کے لئے یہ دو مختلف صفتیں ہیں جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دو مختلف شخصوں پر حاوی ہیں لیکن آپ کے شاگرد رشید امام ابویوسف کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی مستحق کی صفتیں ہیں جن بزرگوں نے مسکین کی تعریف میں اس کا کچھ مالدار ہونا لکھا ہے ان کا استدلال اس آیہ کریمہ سے ہے جو حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصے میں آئی ہے۔

اَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ (سورۂ کہف-۷۹)

"یعنی وہ مسکینوں کی کشتی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے"۔ ان صاحبوں کی یہ دلیل ہے کہ کشتی

کے مالک دولتمند تھے کیونکہ ان کی ملکیت میں کشتی اور اس کے ذریعے کام ثابت ہے ظاہر ہے کہ کشتی قیمتی چیز ہوتی ہے جس سے ان مساکین کا صاحب تمول ہونا ثابت ہوا۔

صاحب فتح القدیر اور دیگر فقہاء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں صرف رحم کے طور پر انہیں مسکین فرمایا گیا ہے نہ کہ بحیثیت کشتی کے مالک ہونے کے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ کشتی والے بطور مزدور کام کرتے تھے مالک نہ تھے اس صورت میں التباس رفع ہو جاتا ہے۔

حضرت امام نے مسکین کے فقیر سے زیادہ غریب ہونے پر یہ دلیل بھی فرمائی ہے کہ آیہ کفارۂ یمین میں ارشاد عالی ہے کہ

فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین (سورۂ مائدہ آیۃ ۸۹)

"یعنی اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے" اس تخصیص سے مسکین کو عام کی زیادہ تر احتیاج اور اس کی بے بسی پر استدلال کیا جا سکتا ہے یعنی مسکین اتنا مفلوک الحال اور واجب الرحم ہے کہ وہ کھانے تک کا محتاج بتایا گیا ہے لہٰذا آیہ سفینہ میں مسکین سے مراد مزدور ہے واللہ اعلم (شمنی)

کن مقامات اور کن لوگوں پر مال زکوٰۃ نہیں لگتا:۔ مال زکوٰۃ سے مسجد کی تعمیر، میت کی تکفین، میت کے قرضے کی ادائیگی، غلام لیکر اس کو آزاد کرنا جائز نہیں (شرح وقایہ) البتہ مکاتب کی قیمت میں اس کی مدد کرنے کی اجازت ہے یہی مطلب ارشاد گرامی وفی الرقاب کا ہے جس کا بیان صفحہ نمبر کے ضمن ۵ میں آچکا ہے۔

زکوٰۃ دہندہ کی اصل و فروع میں جس پہ اس کی ذاتی منفعت پائی جاتی ہو زکوٰۃ نہیں لگتی اصل سے مراد ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، وغیرہ ہیں فروع میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسے وغیرہ داخل ہیں سب میں علت امتناع وہی ذاتی منفعت ہے شوہر اپنی زوجہ کو، یا زوجہ اپنے شوہر کو، مالک

اپنے مملوک کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

صاحبین (امام محمد و امام ابویوسف) کے نزدیک عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے، بدلیل حدیث مبارک کے کہ عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے خاوند اور گود کے یتیموں کی بابت صدقہ دینے کے متعلق پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں دہرا اجر ہو گا۔ ایک اجر صدقہ کا دوسرا قرابت کا (نور الہدایہ، ابن ماجہ) واللہ اعلم

سوتیلے ماں باپ، خسر، ساس، بھائی، بہن، بھتیجی، بھانجی، پھوپھی، خالہ، ماموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (طحطاوی)

مسئلہ :- کافر کو زکوٰۃ کا دینا درست نہیں مسلمان مستحق کو ہی دینا چاہیے البتہ صدقات فاضلہ، خیرات کافر و مشرک پر جائز نہیں (طحطاوی)

سادات کرام کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ اور اس کی بحث :- بنی ہاشم اور ان کے خدمت گاروں کے لئے بھی متون اور کتب فقہ شریف اور احادیث مبارکہ میں زکوٰۃ دینا منع ہے چونکہ فی زماننا ہذا یہ مسئلہ بہت زیر بحث رہا ہے اس لئے اس پر کسی قدر وضاحت سے بحث کی جاتی ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاد حضرت ہاشم سے ہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ ہاشم کی اولاد سے حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت حارث وغیرہم تھے اس کے سوا جو اولاد ہاشم حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جفا کار اور برسرپیکار رہی ان کو اس تقدس اور تعلق سے خارج کر دیا گیا ہے۔ کسی نے سچ فرمایا

چوں کنعان را طبیعت بے ہنر بود

پیمبر زادگی قدرش نیفزود

ہنر بنما اگر داری نہ گوہر

گل از خار است و ابراہیم از آزر

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اولاد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سید اور اولاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو (جو کہ غیر از بطن سیدہ خاتون جنت ہے) علوی کہا جاتا ہے ان کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر حضرت عقیل بن ابی طالب اور حضرت حارث بن عبد المطلب تھے ان سب کی اولاد پر زکوٰۃ کا پیسہ ناجائز لکھا ہے (ہدایہ، مختصر، شرح وقایہ، دُر مختار، مسلم شریف، بخاری شریف) امتناع زکوٰۃ کا حکم تمام بنوہاشم کے لئے ہے ان کی اولاد سے وہی لوگ تذللا خارج ہوئے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے جیسے ابولہب وغیرہ۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ سیدہ بتول جو حبالہ عقد اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب (ابن مطلب بن ہاشم) میں تھیں ان کی اولاد سے سلسلہ سیادت شروع ہوتا ہے اور اس میں تخصیص امتناع زکوٰۃ نہیں بلکہ اسی عمومیت کے تحت جو بنوہاشم کے ساتھ مربوط ہے چونکہ انساب کا سلسلہ باپ کی طرف منتسب ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مبارک بحدیث صحیحہ خاتون جنت کے ساتھ وابستہ ہے اس لئے اس سلسلے سے منسلک جو سادات کہلاتے ہیں یہ تعلیق ان کے متعلق کی جاتی ہے کہ انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

صحیح بخاری میں بروایت ادم بن ابی ایاس حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن علی نے زکوٰۃ کی آئی ہوئی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ

میں ڈال لی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

کِخ کِخ لیطرحہا

"دور کر دور کر تاکہ پھینک دے اسے"

اور فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے (بخاری باب مایذکر فی الصدقات للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے راستے سے گزرتے ہوئے ایک کھجور پڑی دیکھی تو فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ زکوٰۃ کے مال سے ہو گی تو میں اسے کھا لیتا (مشکوۃ باب من لا تحل له الصدقة) عبد المطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقہ یعنی زکوٰۃ لوگوں کی میل جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل کے لئے حلال نہیں صاحب معانی آثار (طحاوی) نے بہت بحث کے ساتھ بنی ہاشم پر ایسا صدقہ مباح لکھا ہے اور یہ دلیل پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آنے والے قافلے سے بہت سامان خرید کر مساکین اور فقراء بنی عبد المطلب (بن ہاشم) میں تقسیم فرمایا تھا اسی طرح صاحب غایۃ الاوطار نے امتناعات کے دلائل کے ساتھ بحوالہ ابو عصمہ حضرت امام سے فی زماننا ہذا زکوٰۃ کا بنی ہاشم کو دینا بھی جائز لکھا ہے کیونکہ زکوٰۃ کا عوض یعنی پانچواں حصہ (خمس) جو ان کا حق تھا اب انہیں نہیں پہنچتا اور جب عوض (یعنی خمس) انہیں نہ پہنچا تو اصل کی طرف ہی رجوع کیا گیا (غایہ جلد اول صفحہ ۴۸۰) بلکہ بحوالہ نہر امام ابو یوسف اور حضرت امام کا یہ قول بھی درج ہے کہ ہاشمی، ہاشمی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

زیلعی نے ابو عصمہ کی یہ روایت بحوالہ طحاوی غیر مشہور لکھی ہے اور پھر شرح الآثار کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ سے یعنی حضرت امام سے تمام صدقات اولاد ہاشم کے لیے اب لاباس بہ (مضائقہ نہیں) کے حکم میں ہیں (زیلعی جلد اول صفحہ ۳۰۳ ملخصا)

خاتمۃ المفسرین قدوۃ ارباب الحقیقۃ والیقین حضرت الشیخ اسمعیل حقی البروسوی (المتوفی ۱۳۷ھ)

اپنی گرانمایہ تفسیر "روح البیان" میں آیہ کریمہ واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ وللرسول کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

"وفی شرح الاثار عن ابی حنیفۃ ان الصدقات کلھا ای فرضھا و نفلھا جائزۃ علیٰ بنی ھاشم والحرمۃ کانت فی عھد النبی علیہ السلام وصول خمس الخمس الیھم فلما سقط ذلک بموتہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حلّت لھم الصدقۃ (الجز العشر صفحہ ۳۳۸ روح البیان)

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرضی یا نفلی تمام صدقات بنی ہاشم پر جائز ہیں کیونکہ اس کی حرمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھی جبکہ مال خمس سے ان کو مال دیا جاتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب یہ حق ان کا نہ رہا تو ان کے لئے اور صدقات حلال ہو گئے۔

ہر چند دلائل فریقین اپنے اپنے مقام پر واضح ہیں لیکن ایک مفکر کے لئے دائرہ عمل میں ضرور تشویش پیدا کرنے کا باعث بھی ہیں ایک طرف امتناعات کی شدت دوسری طرف مباحات کی اجازت دونوں مرکز ایسے ہیں کہ ان پر آسانی کے ساتھ نہیں گذرا جاسکتا اس کی تطبیق اور توثیق عمل کے لئے یہ فقیر مؤلف (خدا تعالیٰ اسے عفو فرمائے) جس نتیجے پر پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ فقہاء کا جواز دائرہ عمل کی وسعت تیسیر دین پر مبنی ہوا کرتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ جواز کراہت کا مانع نہیں ہوتا جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں سادات کرام کی شان میں آیہ تطہیر لیذھب عنکم الرجس اور یطھرکم تطھیرا کا حکم ناطق ہے حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صدقات کو غسالہ ذنوب الناس فرمایا ہے چنانچہ ابو امیہ کی حدیث میں جس کی آخری روایت ابی

رزین سے حضرت علی شیر خدا تک پہنچائی گئی ہے کہ راوی نے حضرت عباس سے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان صدقات سے متعلق پوچھے تو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ماکنت لاستعملک علی غسالۃ ذنوب الناس "میں تمہیں لوگوں کے گناہوں کی نکلی ہوئی میل کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا" (شرح معانی الاثار (طحاوی) باب الصدقۃ علی بنی ہاشم) پس مقدس وقت میں جبکہ اہل بیت اطہار لباس تقدیس و تطہیر میں نکماؤ عملاً ملبوس تھے اور نیز انکے لئے خمس الخمس اور فئی اور تحائف وہدایہ کے دروازے بھی کھلے تھے (جو مال مجاہدین کو محاذات جنگ سے حاصل ہوتا ہے اسے مال غنیمت کہتے ہیں اور جو مال بغیر لڑائی کے دشمنوں سے لیا جاتا یا جزیہ پر صلح کی جاتی یا اس مرتد کا مال جو بحالت ارتداد مارا جاتا وصول ہو تو اسے فئی کہتے ہیں) اور بہترین ذرائع اور وسائل موجود تھے بیشک سید کی شان بھی یہ تھی کہ وہ اس غسالہ ذنوب الناس سے مجتنب رہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر سلسلہ خمس الخمس منقطع ہوا اور ذرائع بھی تقریباً مسدود ہوتے رہے اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضروریات اشیاء کو مباح کر دیتی ہیں آج کے زمانے میں جبکہ لوگوں کے حالات بدل چکے ہیں سادات کرام کے لئے وسائل بسط وبساط نہ رہے اکثر حضرات نے اپنے اعمال، افعال، اقوال میں تغیر اور خلاف اسوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاثرات پیدا کر لئے معاملہ ظنیات میں پڑ گیا تو فقہاء کرام کے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے جنہوں نے اس معاملہ پر کافی غور و تفکر کے بعد فتویٰ جواز دیا اور یہ فتویٰ آج کے دن حق بجانب اور درست معلوم ہوتا ہے سادات مستحقین پر اس زکوٰۃ کی ادائیگی کا دائرہ جواز کے اندر ہے واللہ اعلم وعلمہ اتمہ میرے قریبی رشتہ کی ایک عالمہ سیدہ خاتون نے بڑے غصے اور ہاشمی جوش کے ساتھ مجھے کہا کہ "آپ اس جواز زکوٰۃ علی السادات کے مسئلہ میں غلطی پر ہوں گے اور میں آپکی مخالفت کروں گی آپ سادات کرام کو تبلیغ عمل، جہد فی اللہ اور محنت سے کما کر کھانے کا سبق کیوں نہیں دیتے کہ ان کے لئے غسالۃ الناس اور اوساخ کے جواز کا فتویٰ دینے پر تل گئے ہم سید ال

رسول ہیں لوگوں کی اس میل کو کبھی استعمال نہیں کریں گے خواہ بھوکا ہی رہنا پڑے" میں نے کہا "مقدسہ خاتون سنئے مسئلہ یوں ہے" الخ

بے حکم شرع آب خوردن خطا ست
وگر خوں بفتوٰی بریزی روا ست

میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ اس مقدس گھرانے میں تطہیر اور غسالۃ الناس سے اجتناب کے احساسات قائم رہیں لیکن یہ بھی نہیں دیکھا جاسکتا کہ مقدس خاندان کے یتامیٰ، بے کس اور غریبوں کی یہ حالت ہو کہ غیر قوم کے لوگ ہم پر ہنسیں اور ہمارا اغنیاء پنبہ در گوش ادھر ادھر کتراتے پھریں میں نے تو شریعت بیضاء کے ایک مشکل مسئلے کو تقاضائے وقت سے کسی قدر واضح کیا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میری نیت بخیر اور جذبات محبت و ہمدردی پر مشتمل ہیں میں نے کہنے کو تو یہ کہہ کر جان چھڑا لی لیکن سچ کہوں تو میرے دل پر اس جرات، ایثار، استقلال اور صاف گوئی نے اتنا گہرا اثر کیا کہ میری لوح خاطر پر نقش کالحجر ہو گیا کاش اس خیال غیرت اور حق گوئی کے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو کر، محنت کش اور خوددار ہو جائیں تو پھر قوم کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو کچھ غم نہیں۔

نصاب میں معیّن مقدار کیا ہے؟ احادیث و فقہ میں یہ بحث بالوضاحت درج ہے یہاں اختصار کے ساتھ اس کا اقتباس درج کیا جاتا ہے اور کوشش کی جائے گی کہ سہل طریقہ پر فقہی اشارات سمجھائے جائیں

سونا چاندی:- سونے کا نصاب ۲۰ مثقال بوزن دھلی یعنی ساڑھے سات تولہ ہے جس میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا ہے۔ چاندی میں ۱۴۰ مثقال مساوی دو سو درہم نصاب ہے جو کہ ۶۳۰ ماشے بنتے ہیں اس دو سو درہم یعنی ۶۳۰ ماشے چاندی میں ۵ درہم یا ۱۵ ماشے ۶ رتی چاندی زکوٰۃ کے

حساب میں آئے گی مطلب یہ ہوا کہ جب آپ کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی پورا سال قمری مہینوں کا گزار دے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا نکالنا فرض ہو گا ورنہ جہنم میں جکڑے رہیں گے مرحوم مصنّف "بہشتی زیور" نے آسان طریقہ یہ لکھا ہے کہ جتنا مال نصاب میں ہے اس کے چالیسویں حصہ میں زکوٰۃ واجب ہے یعنی سو روپے میں سے اڑھائی اور چالیس میں سے ایک زکوٰۃ کا ہوتا ہے (بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۲۹)

جانوروں میں سے زکوٰۃ:- چرنے والے جانور مثلاً اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ، بکری سب میں زکوٰۃ ہے البتہ وقفی مواشی اور سوائم یعنی چرنے والوں میں جو حمل، رکوب (بار برداری یا سواری کے ہوں) یا جو گھر سے گھاس کھانے والے بلا نیت تجارت ہوں یا کھیتی کے بیلوں یا اندھے، پاؤں کٹے مواشی میں زکوٰۃ نہیں ہے، گھوڑوں کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ صاحبین کے نزدیک گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے (غایہ) بخلاف ظاہر قول حضرت امام چرنے والے مالوں میں نصاب بدیں خلاصہ ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ اور نصاب بہ تفصیل ذیل میں درج ہے۔

اونٹ میں نصاب پانچ ہے ہر ایک پانچ پانچ سے پچیس اونٹوں میں ایک بکری دینی پڑتی ہے۔

اس سے آگے نقشہ ذیل ملاحظہ ہو

نام اونٹ	تشریح	نصاب زکوٰۃ
بنت مخاض	وہ شتر مادہ جس کو دوسرا برس لگا ہو	چھبیس اونٹوں سے پینتیس تک زکوٰۃ میں بنت مخاض ہے
بنت لبون	وہ اونٹنی جس کو تیسرا برس لگا ہو	چھتیس سے پینتالیس تک بنت لبون زکوٰۃ ہے
حقہ	چوتھے برس کے شروع کی اونٹنی جو سواری کے لائق ہو گئی ہو	چھیالیس سے ساٹھ سال تک حقہ ہے
جذعہ	پانچویں سال میں لگی ہوئی اونٹنی	اکسٹھ سے پچھتر تک

گائے بھینس نر ہوں خواہ مادہ ان میں نصاب ۳۰ ہے

نام	تشریح	نصاب	زکوٰۃ
تبیع	پورے برس کا بچھڑا یا بچھڑی	۳۰ عدد	ایک تبیع دیا جائے
مسن دو سنین	دانت والا دو سالہ	۴۰ عدد	ایک مسن دیا جائے
مسن دو سنین	دانت والا دو سالہ	۶۰ عدد	دو تبیع دے جائیں

بھیڑ بکری دنبہ میں نصاب چالیس ہے ایک سے انتالیس تک معاف ہے

۴۰ سے ۱۲۰ تک ایک بکری	۱۲۱ سے ۲۰۰ تک دو بکریاں
۲۰۱ سے ۳۹۹ تک تین بکریاں	۴۰۰ میں چار بکریاں

ذیل میں چند مختلف صورتوں کے مسائل رفاہ عامہ کی بنیاد پر لکھے جاتے ہیں

نکتہ:- نقود میں دراہم پر کسر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معاف ہیں اور صاحبین کے نزدیک یہ عفو خاص ہے سوائم میں نہ نقود میں (جیسے بکریوں میں چالیس اور چالیس سے ایک سو بیس تک صرف ایک ہی بکری نصاب میں آئے گی) مثلاً اگر آپ کے پاس دو سو درہم پر دس درہم بڑھ جائیں تو تاوقتیکہ یہ کسر کو پورا کر کے چالیس درہم تک نہ پہنچ جائیں امام صاحب کے نزدیک وہی پانچ درہم زکوٰۃ آئے گی اگرچہ صاحبین اس کے برخلاف ہیں لیکن یہی بہتر مسلک ہے جو حضرت امام نے اختیار فرمایا۔

مسئلہ:- سونے چاندی برتن زیور سچا گوٹہ ٹھپہ کناری سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔

تصوف کے اثرات ہندو سماج پر

سعید احمد اکبر آبادی

تصوف کا بیج اگرچہ پیدا حجاز میں ہوا اور اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء کے مصداق دنیا کے چپہ چپہ پر اس کی شاخیں پھیلیں اور وہ سر سبز و شاداب ہوا لیکن ویدانت اور گیان دھیان کی سرزمین ہند میں اس نے جو برگ و بار پیدا کئے وہ کیف و کم کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب "عرب وہند کے تعلقات" اور پھر اسی موضوع پر قاضی اطہر مبارک پوری کی ضخیم اور محققانہ کتاب سے اب یہ بات الم نشرح ہے کہ ہندوستان کے تعلقات عرب اور ایران سے اسلام سے بھی بہت پہلے سے تھے اور ان میں باہم آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ عرب نہ صرف یہ کہ ہندوستان سے واقف تھے بلکہ اس کے علوم وفنون، صنعت و حرفت اور اس کی دولت و ثروت کے معترف و مداح تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جہازراں سے ہندوستان کے متعلق دریافت حال کیا تو اس نے جواب دیا۔ "اس ملک کے دریا موتیوں سے مالامال ہیں، پہاڑوں میں جواہرات بھرے ہوئے ہیں اور جنگلات خوشبوؤں سے مہک رہے ہیں(۱)"۔

عرب فطرۃً سیر و سیاحت اور مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونے کے رسیا تھے اور ہندوستان سے ان کے تجارتی تعلقات بھی تھے۔ پھر اسلام نے عربوں میں جو یہ عقیدہ پیدا کیا تھا کہ ساری زمین اللہ کی ملک ہے اور مومن اس کا امین، نیز یہ کہ انسان انسان سب برابر ہیں خواہ کسی ملک اور کسی نسل کے ہوں اور اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ کہ بحثیت مسلمان ان کا فرض ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں شر وفساد اور ظلم وستم ہے اس کو روکیں اور لوگوں میں خداشناسی اور عمل صالح کا پرچار کریں۔ اس عقیدہ نے ان کے لئے وطن اور پردیس کا فرق مٹادیا۔ وہ عرب سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئے۔ جس ملک میں قدم جم گئے وہیں رہ پڑے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا۔ یہ عرب تین قسم کے تھے۔ ایک قسم ان عربوں کی تھی جو اسلامی عساکر کے ساتھ چلتے تھے، دوسری قسم

تاجروں کی اور تیسری قسم صوفیائے کرام کی تھی۔ ان تینوں طبقات میں کوئی تباین اور تضاد نہ تھا۔ کیونکہ جو عرب کسی ملک میں فوجی کی حیثیت سے داخل ہوتے تھے، ان میں سے بعض اس ملک کے متوطن ہونے کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کر لیتے تھے اور انہی میں سے بعض صوفیہ بھی ہو جاتے تھے۔

ہندوستان میں کیرالا کی تاریخ سے ثابت ہے کہ سندھ میں محمد بن قاسم کے حملے اور اس کی فتح سے بھی پہلے عرب تاجروں کی ایک جماعت جو سیلون اور کوفہ وبصرہ کے درمیان تجارت کرتی تھی سیلون سے واپس ہوتے ہوئے مغربی ساحل کے ذریعے کیرالا میں داخل ہوئی اور یہاں قیام پزیر ہو گئی، یہاں آباد ہو کر یہ لوگ مقامی آبادی کے ساتھ گھل مل گئے۔ مقامی زبان ملیالم سیکھی، شادی بیاہ کے تعلقات قائم کئے اور اپنا کاروبار شروع کیا۔ تاجروں کے اس قافلے کے ساتھ ہی، جیسا کہ وہاں کی روایات بتاتی ہیں، چند صوفیہ بھی تھے، لیکن کیرالا میں عربوں کی نوآبادی قائم ہو جانے کے بعد تو خود ان عربوں کی نسل سے نامور صوفیہ بھی پیدا ہوئے اور باہر سے آنے والوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

ان بزرگوں کے مزارات، خانقاہوں اور مدرسوں کے آثار کیرالا میں جگہ جگہ آج بھی نظر آتے ہیں۔ ان حضرات نے اپنے اعلیٰ کردار اور اخلاق سے نہ صرف عوام کو، بلکہ حکومت وقت کو بھی اس درجہ متاثر کیا کہ ایک راجہ مسلمان ہو گیا اور مدینہ طیبہ کی زیارت کے ارادے سے روانہ بھی ہوا، مگر پہنچ نہ سکا، راستے میں انتقال ہو گیا۔ ان حضرات نے جو سماجی انقلاب Indo-Arab کلچر کی شکل میں پیدا کیا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔ ملیالم زبان میں ایک بہت بڑا ذخیرہ عربی الفاظ کا ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۹ء میں، جب میں کالیکٹ یونیورسٹی سے وابستہ تھا، ایک صاحب نے اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اس سماجی انقلاب کا ہی یہ اثر ہے کہ آج تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے جو ہم آہنگی کیرالا کے مختلف فرقوں میں نظر آتی ہے وہ دوسری جگہ کم نظر آتی ہے، پھر ان حضرات کا عوام کی اصلاح و تربیت کا کام صرف

کیرالا تک محدود نہیں رہا بلکہ پورا جنوبی ہند اس سے متاثر ہوا اور ہر جگہ اس کے آثار اور نشانات موجود ہیں۔

یہ تو جنوبی ہند کا مختصر تذکرہ تھا جو صرف داستان کی ایک تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔ ورنہ درہ۔ خیبر کے راستے جو صوفیائے کرام ایران، توران، خراسان اور سمرقند و بخارا وغیرہ سے ہندوستان میں وارد ہوئے اور یہاں آباد ہو کر انہوں نے عوامی فلاح و بہبود اور خدمت خلق کے نہایت عظیم الشان اور دیرپا کارنامے انجام دیے ہیں وہ ہماری قومی اور سماجی تاریخ کے ایسے روشن ابواب ہیں جنہیں تاریخ کا کوئی طالب علم نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس موقع پر پہلے ایک غلط فہمی کا دور کرنا ضروری ہے، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شمالی ہند میں مسلمانوں اور ان کے ساتھ صوفیائے کرام کی آمد مسلم فتوحات کے بعد شروع ہوتی ہے، حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں۔ جیسا کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔ "تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ بنارس، قنوج، بدایوں، بہرائچ اور اجمیر وغیرہ مقامات میں مسلمانوں کی نو آبادیاں اس وقت قائم ہو گئیں تھیں جب غوریوں کی فوج نے اس ملک میں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔" ابن اثیر بنارس کے راجہ کے متعلق لکھتا ہے۔ "اس راجہ کے سپاہیوں میں ایک تعداد مسلمان امیروں کی بھی تھی جن کے آباواجداد، سلطان محمود بن سبکتگین کے زمانہ سے ان حصوں میں رہتے چلے آتے تھے۔ یہ مسلمان شریعت اسلامیہ کی پابندی کرتے اور دیگر اعمال خیر میں راسخ تھے۔ یہ تو عام مسلمانوں کی بات ہوئی، اب صوفیہ کے متعلق سنئے، پروفیسر خلیق احمد نظامی مزید لکھتے ہیں۔

"سید محمد گیسو دراز کے اجداد میں ایک بزرگ سید ابوالحسن جنیدی فتح دہلی سے کافی پہلے اپنے سولہ ساتھیوں کے ساتھ دہلی آکر بس گئے تھے۔ انہوں نے ایک مسجد بھی بنائی تھی جس میں صرف ایک پتھر نصب کر کے قبلہ کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس زمانہ میں ان کو جو دشواریاں پیش آئی ان کا ذکر حضرت خواجہ گیسو دراز نے ایک بار اپنی مجلس میں یوم عاشورہ کو کیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمت اللہ علیہ کا پرتھوی راج کے زمانہ میں اجمیر آنا سیرالاولیاء سے

ثابت ہے (۲)

اب اگر یہ صحیح ہے کیونکہ جدید تحقیق سے بکثرت ایسے صوفیہ کا پتہ دکن میں ملا ہے جو اجمیر کے خواجہ غریب نواز سے پہلے دکن میں آبسے اور اپنا کام کر رہے تھے، تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ شمالی ہند میں بھی تصوف نہ کسی تلوار کے زیر سایہ آیا اور نہ کسی تلوار کی حمایت کی غرض سے آیا، بلکہ خود اپنے قصد اور ارادہ سے ایک نہایت عظیم اور مقدس مشن لے کر آیا اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس میں دخل سرزمین ویدانت کی کشش کا بھی تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں تصوف کس مقصد اور کس مشن کے لئے آیا تھا؟ اس سوال کا جواب اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا، جب تک آپ تصوف کی آمد کے وقت ہندوستان کے سماج کی تاریخ پیش نظر نہ رکھیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان ایک طرف اپنے علوم و فنون ریاضی، طب، علم نجوم، علم ہندسہ وہیت، فلسفہ ویدنت وغیرہ کی وجہ سے دنیا کی قدیم تہذیبوں میں ایک ممتاز اور نمایاں مقام رکھتا تھا، اس ملک کے پنڈتوں نے علم و تحقیق کے میدانوں میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیے تھے ان کا غلغلہ چہار دانگ عالم میں برپا تھا اور اسی وجہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم "الحکمۃ ضالۃ المومن" حکمت مومن کی گم شدہ اونٹنی ہے، کے مطابق ابتدائے عہد خلافت بنی عباس میں جو بیت الحکمۃ بغداد میں قائم ہوا تھا اس کی وساطت سے خود عربوں نے سنسکرت سیکھنی شروع کر دی تھی، لیکن دوسری طرف جہاں تک معاشرت کے اصول و ضوابطہ کا تعلق ہے، ہندو تہذیب کی تصویر کا دوسرا رخ تاریک تھا۔ البیرونی نے "کتاب الہند" میں تصویر کے یہ دونوں رخ نہایت تفصیل اور وضاحت سے دکھائے ہیں، انہیں پڑھ کر غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

نقش ناز بت طناز با غوش رقیب　　　پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے

اصل یہ ہے کہ ہندوستانی سماج کا پورا ڈھانچہ ذات پات کے تصورات پر قائم تھا۔ تمام

انسانوں کے چار ذاتوں پر تقسیم کیا گیا تھا، جن میں سب سے اونچی ذات برہمن کی اور سب سے نیچی ذات شودر کی تھی۔ اسی وجہ سے چھوت چھات کا مسئلہ پیدا ہوتا۔ برہمن کو ہر قسم کے حقوق حاصل تھے اور بقول "منو" ان کی حیثیت دوسری تمام ذاتوں کے سردار اور آقا کی تھی۔ گویا دراصل دنیا ان کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے، باقی جتنے ہیں سب طفیلی ہیں۔ شودر ناپاک و نجس اور سب سے زیادہ ذلیل و خوار تھا۔ اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ علم حاصل کرنے اور وید مقدس کو پڑھنے پڑھانے کا حق صرف برہمنوں اور کشتریہ کو حاصل تھا۔ باقی دونوں طبقات پر اس کے دروازے بند تھے۔ سماجی امتیازات کے نقشے میں عوام جو مختلف پیشے کرتے تھے ان کا حال بھی بڑا زبوں تھا۔ جو لوگ شہروں کی صفائی ستھرائی کا کام کرتے تھے، منوسمرتی کے قانون کے تحت ان لوگوں کو شہر کی چار دیواری کے اندر شب بسر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک صالح اور تندرست معاشرہ کے لئے شرط اولین یہ ہے کہ اس کے افراد و اشخاص میں انسان بحیثیت انسان کی حقیقی عظمت و بزرگی، مساوات انسانی اور ان کے یکساں حقوق کا کامل احساس اور یقین پایا جائے۔ اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ جو معاشرہ نہایت شدید طبقاتیت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا اور جس میں انسان انسان کے درمیان امتیاز و تخصص کی سدِ سکندری حائل ہو اس کی جڑیں مضبوط و پائدار اور استوار ہرگز نہیں ہو سکتیں، کیونکہ طبقاتیت ہزار بیماریوں کی ایک بیماری ہے۔ اس کے پیدا ہونے سے سینکڑوں اخلاقی خرابیاں رونما ہوتی ہیں اور آخر کار اخلاقی انحطاط و زوال کے زہریلے جراثیم معاشرہ کے جسم میں داخل ہو کر اسے گلا سڑا دیتے اور ایک دن اسے ختم کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں یہی صورت حال پیدا ہوئی۔ ذات پات اور چھوت چھات کے تصورات و معتقدات نے اس ملک کی اجتماعی زندگی کو زیر و زبر اور اختلال پزیر و منتشر کر دیا اور اس نے یہاں کے سیاسی نظام کو اس حد تک متاثر کیا کہ پورا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ ہر ریاست مرکز سے بے تعلق اور اپنے دائرہ عمل میں آزاد تھی۔ ہر ریاست کا فرماں روا قانون سے بالا تر تھا۔ راجپوت حکمراں اپنا رشتہ، حسب و نسب چاند اور سورج سے ملاتے تھے۔ پھر ان ریاستوں میں باہمی رقابت اور چشمک زنی کا عالم یہ تھا کہ اگر کوئی بیرونی طاقت حملہ آور ہوتی تو متحد و متفق ہو کر ملک کا دفاع کرنے کی بجائے ہر ریاست دوسری

ریاست کی شکست کو اپنی فتح تصور کرتی تھی، یہ وہ حالات تھے جنہوں نے مسلم فاتحین کی حوصلہ مندیوں کے لئے راہ ہموار کردی۔

صوفیائے کرام جو جذبہ و عقیدہ۔ توحید سے سرشار تھے، جو قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ کی رب العالمینی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی، انسان کی عظمت اور اس کے مساوات حقوق پر کامل یقین واعتقاد رکھتے تھے اور جن کی زندگی کا مشن اور اس کی غرض وغایت اپنے آپ کو فنا کر کے خلق خدا کی بے لوث و بے غرض خدمت تھی، ہندوستان کے ان سماجی حالات سے کس طرح بے خبر یا بے پرواہ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جوق در جوق اس ملک میں آنا شروع کردیا اور اپنی بساط ارشاد و ہدایت بچھاتے ہوئے اس ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے،

کنتم خیر امتہ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(اے اہل ایمان) تم بہترین گروہ ہو۔ تمہیں لوگوں میں سے چنا گیا ہے (تاکہ) تم لوگوں کو معروف کا حکم دو اور منکرات سے روکو

اس ارشاد کے مطابق خدمت خلق صرف صوفیہ کا ہی نہیں، بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن صوفیہ کا معاملہ سب سے جدا تھا۔ چونکہ مسلمانوں کے دوسرے طبقات، ملازمت پیشہ ہوں یا تجارت وزراعت پیشہ سب اپنے اپنے کام میں مشغول رہتے تھے، اس لئے وہ خلق خدا کی خدمت اگر چاہتے بھی تو صرف جزوی طور پر کرسکتے تھے۔ سب سے زیادہ توقع علماء کے طبقے سے ہوسکتی تھی لیکن یہ حضرات درس و تدریس، افتاء وقضا یا فقہ و کلام کے مسائل و مباحث کی موشگافیوں میں وقت صرف کرتے تھے، اس بنا پر صرف ایک طبقہ صوفیائے کرام کا تھا جو جس نے دنیا کے ہر کاروبار سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو مکمل طور پر ذکر الٰہی اور اس کے ذریعے سے خدمت خلق کے لئے وقف کرلیا تھا۔ اور یہی ان کا مقصد حیات تھا۔ علاوہ ازیں صوفیہ اور علماء کے نقطہ، نظر میں بھی فرق تھا۔ علما ظواہر احکام کی پابندی کرتے اور سماجی و معاشرتی امور میں تصلب وتقشف سے

کام لینے کے عادی تھے۔ اس کے برخلاف صوفیہ کا عالم یہ تھا کہ توحید پر ایمان ان کی رگ و پے میں جان کے عوض درد بن کر سرایت کر گیا تھا اور پھر عشق الٰہی کی آگ میں جل بھن کر وہ ایسے کندن ہو گئے تھے کہ ان کی نگاہوں میں من و تو کا کوئی فرق باقی نہ رہا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جب علماء سلطنت دہلی کے دربار میں اس پر بحث کر رہے تھے کہ اصل باشندگان ہند مشابہ اہل کتاب ہیں یا نہیں اور اس لئے ان سے جزیہ لینا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ ٹھیک اسی وقت حضرت نظام الدین اولیاء رحمت اللہ علیہ ہندوؤں کو اپنی خانقاہ میں سینہ سے لگائے بیٹھے تھے۔ اسی وجہ سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی جو اپنے زمانہ کے کبار اولیاء اللہ میں سے تھے صوفیہ کی خانقاہوں کو "عشق کی دکانیں" کہتے تھے (۳)۔

صوفیائے کرام سراپا درد و محبت تھے۔ ان میں تنگ نظری نام کو نہ تھی۔ وہ کسی سے نفرت کرنا نہیں جانتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ گناہ سے بچو اور نفرت کرو، لیکن گنہگار سے نفرت کے کیا معنی ہیں؟ وہ تو بیمار ہے اور بیمار پر رحم اور ترس آنا اور اس کے علاج کی کوشش کرنا چاہئے۔ اس پر غصہ کرنے یا اس سے نفرت کرنے کا کیا موقع ہے؟

ہندوستان میں مسلم فاتحین کے آنے اور یہاں کے ان کے آباد ہو جانے کے بعد معاشرہ میں فاتح مفتوح اور حاکم و محکوم کا جو فرق پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے ملک کی سماجی فضا میں جو تناؤ پیدا ہو گیا تھا اس نے صوفیائے کرام کے فرائض میں مزید اضافہ کر دیا۔ تصوف کے متعدد سلسلے مثلاً چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ، فردوسیہ اور شطاریہ ہندوستان میں قائم ہوئے اور خوب پھلے پھولے اور ان سب سلسلوں نے ملک میں سماجی ہم آہنگی اور عوام کی اصلاح و تربیت کے سلسلے میں جو کارنامے انجام دیے ہیں ان کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مسالک الابصار کے حوالے سے نظامی صاحب لکھتے ہیں کہ "محمد بن تغلق کے زمانے میں دو ہزار خانقاہیں دہلی اور اطراف دہلی میں تھیں۔ ان خانقاہوں کا مقصد جد و جہد یہ تھا کہ اولاد آدم کے دل میں اس کے رب سے سچا تعلق پیدا کیا جائے اور اس کو انسان بنایا جائے" (۴)۔ یہ کارنامے نہایت شاندار ہیں اور کوئی شبہ

نہیں کہ ملک کی تعمیر و ترقی میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ایک پارسی فاضل پروفیسر فیروز ڈار لکھتے ہیں۔

"اسلامی تصوف ہندوستان پہنچا تو اس نے یہاں کی سرزمین کو اپنے نشو ونما اور ارتقاء کے لئے بہت ہی زرخیز پایا۔ اس نے یہاں قدم جمالئے اور پورے ملک کو نہایت پرامن طریقے پر فتح کرلیا۔ مذہب، مذہب میں باہم تصادم اور تزاحم ہوتا ہے لیکن تصوف نے جو پیغام دیا اس کے قبول کرلینے میں کوئی مذہبی اختلاف رکاوٹ نہیں بنا۔ سب نے اس پیغام کو گوش دل سے سنا اور قبول کرلیا۔ اس تصوف کا بنیادی سبق یہ تھا کہ خدا ایک ہے۔ سب انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور زندگی اور فطرت بنی آدم میں یک رنگی اور یکسانیت ہے"

پوری تاریخ میں ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی صوفی نے کسی شخص کو کسی دباؤ یا کسی دنیوی منفعت اور فائدہ کے لالچ سے اپنا ہم مذہب بنالیا ہو۔ پروفیسر ڈار اسی سلسلہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے ایک عظیم صوفی جو ہندوستان میں آئے وہ خواجہ معین الدین چشتی (۱۱۳۶ء تا ۱۲۲۶ء) تھے انہوں نے اجمیر میں سکونت اختیار کرلی۔ یہاں ان کی عظیم الشان درگاہ ہے جو ہندو اور مسلمان دونوں کی زیارت گاہ ہے، یہ واقعہ ہے کہ اجمیر میں اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو حسینی برہمن کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ براہ راست ان لوگوں کی اولاد ہیں جنہوں نے حضرت خواجہ کی پیروی اختیار کرلی تھی" (۵)

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صوفیائے کرام نے ملک میں وحدت سماجی ہم آہنگی اور عوام کی اصلاح و تربیت کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں رول چشتیہ سلسلہ کا رہا ہے۔ ان میں حضرات کا طریق کار اور منہج ارشاد ہدایات کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر (۱۲۶۵ء-۱۱۷۵ء) جب اپنے خلفاء کو ملک کے اطراف واکناف میں ارشاد و ہدایت کا کام کرنے کے لئے روانہ کرتے تھے تو انہیں یہ ہدایات دیتے تھے،

۱ روحانی ترقی حاصل کرنے کے لئے ضبط نفس اور تزکیہ۔باطن لابداد بے حد ضروری ہیں ورنہ محض رسمی طور پر نماز ادا کرنے اور توبہ استغفار کرلینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر تم کو معرفت کی طلب اور جستجو ہے تو ضروری ہے کہ غصہ، رشک وحسد، لالچ اور نفرت کو مکمل طور پر دل سے باہر نکال پھینکو۔

۲ معرفت ہر گز ان لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتی جو بادشاہوں کے ساتھ ربط وضبط رکھتے ہیں۔ جاہ طلبی اخلاقی کردار کو کمزور اور دل کی آزادی کو برباد کردیتی ہے۔

۳ کسی کی امانت قبول کرنا روحانی مشاغل میں یکسوئی کو برباد کردیتا ہے۔ اس لئے یہ ذمہ داری کبھی قبول نہ کرنی چاہئے۔

۴ اس دنیا میں کبھی کسی سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کرو۔

۵ فرائض وواجبات کی بروقت اور باقاعدہ ادائیگی سے کبھی غفلت نہیں برتنی چاہئے۔

۶ روحانی کمال حاصل کرنے کے لئے مذہبی علوم وفنون کی تعلیم شرط اول ہے۔

چشتیہ فلسفہ تصوف کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں علم، عقل اور عشق تینوں دوش بدوش رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت بابا فرید رحمت اللہ علیہ نے جب خواجہ نظام الدین اولیا۔رحمت اللہ علیہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تو ان کی نسبت فرمایا، "باری تعالیٰ تر علم و عقل و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں سہ صفت موصوف باشد از و خلافت مشائخ نیکو آید" (۶)

جیسا کہ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں۔ مشائخ چشت اپنے اس اصول کی پابندی بڑی سختی سے کرتے تھے کہ بادشاہوں اور امراء و وزراء سے خود تعلق نہیں رکھتے تھے اور اپنے خلفاء و متوسلین خصوصی کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمت اللہ علیہ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ شاہ نے حضرت خواجہ کو محل شاہی میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی اور اس پر اصرار کیا۔

حضرت خواجہ نے جواب دیا، "ہم گدایان بے نوا اور فقیران گوشہ نشین کا قصر شاہی میں کیا کام؟" سلطان نے کہلا بھیجا، "اچھا تو اب میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا" حضرت خواجہ نے فرمایا، "ہم غریبوں کی جھونپڑی سے شاہان والا مرتبہ و نشان کو کیا واسطہ؟" اب سلطان نے کہلوایا، "اچھا تو اب میں اچانک آپ کی اطلاع اور اجازت کے بغیر خدمت گرامی میں حاضر ہوں گا" حضرت شیخ نے فورا جواب دیا، اگر تم نے ایسا کیا تو تم ایک دروازہ سے گھر میں داخل ہوگے اور میں دوسرے دروازہ سے باہر نکل کر گھر چھوڑ دوں گا" جب سیدی مولا نے بابا فرید سے اجودھن سے دلی آنے کی اجازت طلب کی تو بابا فرید رحمت اللہ علیہ نے بادل نخواستہ اجازت تو دے دی لیکن ساتھ ہی فرمایا،

"میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم کبھی بادشاہوں اور امراء سے اختلاط نہ کرنا اور اپنے گھر میں ان کی آمد و رفت کو تباہ کن سمجھنا کیوں کہ جو درویش بادشاہوں اور امراء کے ساتھ اختلاط کا دروازہ کھلا رکھتا ہے اس کا انجام بہت برا ہوتا" ۔ لیکن افسوس کہ سیدی مولا نے اس نصیحت کی پرواہ نہ کی اور سلطان جلال الدین فیروز شاہ تغلق کے ہاتھوں تباہ اور برباد ہوتے ۔(۷)

اب سوال یہ ہے کہ مشائخ چشت سلاطین اور امراء و وزراء سے اجتناب کے معاملہ میں اس درجہ مصر اور متشدد کیوں تھے؟ معاملہ کا ایک رخ آخر یہ بھی تو ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اس کا موقع ملتا ہے کہ انہیں اچھے کاموں کی ترغیب دی جائے اور برے کاموں سے روکا جائے۔ چنانچہ مشائخ نقشبندیہ کا نقطہ نظر یہی تھا۔ اور وہ سلاطین اور امراء کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس ذریعے سے انہوں نے بڑی قابل قدر خدمات انجام بھی دی ہیں۔

ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سلاطین نے اس ملک کو بزور شمشیر فتح کیا تھا اور اس سلسلے میں ان سے متعدد ایسے اعمال و افعال کا بھی اختیاری طور پر یا اضطراری، صدور ہوا تھا جو بلاشبہ اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے۔ اس وجہ سے ہندوؤں کے دل دکھے ہوئے تھے اور وہ

سلطنت کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مشائخ چشت جن کا مقصدِ زندگی ہی دلوں میں توحید اور عشق ومحبت الٰہی کی آگ بھڑکا کر ٹوٹے ہوتے دلوں کو جوڑنا اور دکھ، درد کے مارے انسانوں کے لئے قلبی سکون واطمینان کی داروئے شفاء فراہم کرنا تھا، انھوں نے بجا طور پر محسوس کیا کہ ملک کے ان حالات میں اگر ان کا بادشاہوں کے ساتھ خلا ملا رہا تو اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ سلطنت کے غیر اسلامی افعال واعمال کو ان مشائخ کی تائید بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ حاصل ہے۔ اور اس بنا پر ان کو عوام کو اعتماد حاصل نہیں ہو سکے گا جو ان کے مشن کی تکمیل اور کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کا نقطہ۔ نظر جلب منفعت کے اصول پر مبنی تھا اور مشائخ چشت کے نقطہ۔ نظر کی اساس اس کلیہ پر قائم تھی کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہوتی ہے، حضرات چشتیہ کے اس نظریہ اور اس کے مطابق عمل کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ مجموعی اعتبار سے اس ملک کی اصل آبادی پر، کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے، جو اثر مشائخ چشت کا ہوا وہ تصوف کے دوسرے سلسلوں کا نہیں ہو سکا۔ چنانچہ امیر حسن رحمت اللہ علیہ دہلوی نے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمت اللہ علیہ کی خانقاہ میں ہندو جوگیوں کی موجودگی تک کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانے میں اور اس کے بعد بھی ہندوؤں میں مذہب اور سماج کی اصلاح کے لئے جو تحریکیں پیدا ہوئیں، ان کا غور سے مطالعہ کیجئے تو ان پر اسلامی تصوف کے اثرات کی چھاپ صاف طور پر نظر آتی ہے۔

شمالی ہند کے بھگتی تحریک کے علم برداروں میں کبیر، گرونانک اور چیتنیا کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کبیر نے اپنے عقائد ونظریات کو شاعری اور موسیقی کے امتزاج سے پیدا شدہ ایک پیکر لطیف کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا۔ کبیر کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے افکار ونظریات کا سرچشمہ صوفیائے اسلام اور خاص طور پر ایران کے صوفی شعراء ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں فارسی زبان میں تصوف کی اصطلاحات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ صوفیائے

کرام نے ہندوستان میں ذات پات اور چھوت چھات کے خلاف واحد و مساوات انسانی کا جو صور پھونکا تھا کبیر نے اس سے متاثر ہو کر اس کو اتنا بڑھایا کہ ہندو اور مسلمان میں تفریق ہی ختم کر دی۔

گرو نانک (۱۴۶۹ء) نے صوبہ پنجاب میں بھگتی تحریک شروع کی جو ایک مدت سے اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور مسلمان صوفیاء و مشائخ کا مرکز تھا۔ گرو نانک نے ۷ برس کی عمر میں ملا قطب الدین سے فارسی پڑھی اور ۳۰ برس کی عمر میں ترک دنیا کر کے عالم کی سیاحت پر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے عرب جانے کی بھی روایت ملتی ہے۔ اس سیاحت میں جہاں کہیں مسلمان صوفیاء موجود تھے گرو نانک ان سے ملے۔ بعض صوفیاء مثلاً شیخ شرف الدین پانی پتی، مشائخ ملتان اور بابا فرید الدین رحمت اللہ علیہ کے خلیفہ شیخ ابراہیم پاک پٹن سے ان کے مراسم بہت گہرے تھے۔ سیاحت سے فارغ ہو کر جب انہوں نے ایک جگہ قیام کر لیا تو اب انہوں نے اپنے عقائد اور افکار و نظریات کو مربوط و منظم شکل میں پیش کیا۔ اور یہ سکھ مذہب کے بانی کہلائے۔ گرو نانک پکے موحد تھے اس کے علاوہ ان کی اکثر و بیشتر تعلیمات وہی ہیں جن کا پرچار مسلمان صوفیاء کرتے رہے ہیں۔

بنگال میں بھگتی تحریک کو فروغ چیتنیا Chaitanya (۱۴۸۵ء میں پیدا ہوئے) کے ہاتھوں ہوا۔ یہ اگرچہ برہمن خاندان میں پیدا ہوئے لیکن بھگتی تحریک کے زیر اثر خود برہمنوں کے سماجی نظام کے سخت مخالف اور اس کے دشمن تھے۔ یہ بھی موحد تھے اور سب انسانوں کو ایک ہی باوا آدم اور حوا کی اولاد مانتے اور خدا کی پرستش پر زور دیتے تھے۔ چیتنیا کی تعلیمات کو بنگال میں فروغ ہوا۔ اور ایک بڑا حلقہ ان کے معتقدین کا قائم ہو گیا لیکن چیتنیا کے افکار و نظریات صوفیاء اسلام کی دین تھے۔ بنگال کے مشہور صوفی حضرت نور قطب عالم رحمت اللہ علیہ سے خاص طور پر اکتساب فیض کیا تھا ان کے مکتوبات کا مجموعہ جس کا قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کی نظر سے گزرا ہے۔ پروفیسر صاحب اس کے متعلق لکھتے

ہیں، "اگر ان مکتوبات میں سے شیخ نور قطب عالم کے مذہبی فکر کے بنیادی اصول نکال کر ان کا چتینیا، روپا، ساتھن اور جیوا گوسوامی کی تعلیمات سے مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ مشائخ چشت نے بھگتی تحریک کو کس درجہ متاثر کیا تھا۔ اور وہ کس حد تک بنگال کی ان اصلاحی تحریکوں کے ذمہ دار تھے۔"

بھگتی تحریک کے بعد جو اور اصلاحی تحریکیں ہندوؤں میں پیدا ہوئیں اسلامی تصوف کا اثر ان پر بھی صاف نمایاں ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ ہندوؤں میں کتنے ہی ارباب قلم ہیں۔ جنھوں نے اسلامی تصوف اور صوفیاء پر قابل قدر کتابیں لکھیں ہیں۔ اور صوفیاء کے مزارات پر بھی یہ لوگ حاضر ہوتے اور منتیں مانتے اور نذرانے چڑھاتے ہیں۔

استفتاء

سوال نمبر ۱: علماء کرام سے استدعاء ہے کہ صلوٰۃ التسبیح باجماعت ادا کی جا سکتی ہے یا کہ نہیں؟ اور باجماعت پڑھنے کی صورت میں یہ نماز خفی ہے یا کہ جہری، وضاحت فرمادیں؟

سوال نمبر ۲: خواتین اگر فرض نماز باجماعت ادا کریں تو امام کا قیام کہاں ہونا چاہیے۔ مہربانی فرما کر مدلل جواب ارقام فرمادیں۔ اور عند اللہ ماجور ہودیں، بینو و توجروا۔

فصیح اللسان دولت پورہ تحصیل و ضلع پشاور

الجواب

۱۔ واضح ہو کہ صلوٰۃ التسبیح میں بہت زیادہ ثواب ہے کوئی بھی مسلمان اس کے ثواب سے آگاہ ہو کر غالباً اس کو ترک نہ کرے گا۔ ذیل میں حدیث شریف درج کی جاتی ہے جس سے یہی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنہا ہی اس نماز پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا اور جماعت سے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال للعباس بن عبد المطلب یا عباس یا عماہ الا اعطیک (الحدیث ص ۱۱۷ مشکوٰۃ المصابیح)

نوٹ: حدیث شریف بہت طویل ہے لہٰذا صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس ابن عبد المطلب سے فرمایا "اے عباس اے چچا کیا میں تمہیں کچھ عطا نہ کروں کچھ نہ بتاؤں کیا تمہارے ساتھ دس بھلائیں نہ کروں جب تم وہ کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے نئے پرانے دانستہ یا نادانستہ چھوٹے بڑے چھپے کھلے گناہ معاف کر دے۔ تم چار رکعتیں پڑھو ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لو جب تم پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو تو کھڑے ہو کر پندرہ بار کہو۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ط

پھر رکوع کرو تو رکوع میں دس بار یہ کہہ لو پھر رکوع سے سر اٹھاؤ تو دس بار کہو پھر سجدہ میں جاؤ تو سجدہ میں دس بار کہہ لو پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو پھر سجدہ کرو تو دس بار کہہ لو پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو یہ ایک رکعت میں ۷۵ بار ہوئے ایسا ہی چار رکعتوں میں کر لو۔ اگر کر سکو تو ہر دن میں یہ نماز ایک بار پڑھو، اگر نہ کر سکو تو ہر ہفتہ میں ایک بار اگر یہ بھی نہ کر سکو تو ہر سال میں ایک بار اگر یہ بھی نہ کر سکو تو عمر میں ایک بار۔ اس حدیث

شریف کو ابو داؤد، ابن ماجہ، بیہقی، دعوات کبیر میں ذکر کیا گیا ہے۔ "مرآۃ المناجیح" میں ہے کہ اس سے مراد گناہ صغیرہ ہیں کیونکہ گناہ کبائر بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے، اور حقوق العباد میں بغیر حق ادا کئے معاف ہونے کا امکان نہیں یا تو حقدار کو حق ادا کرنا ہوگا یا معاف کرانا ہوگا۔ اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس نماز میں کونسی سورتیں پڑھنا افضل ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ سورہ التکاثر، سورہ والعصر، سورہ قل یاایھاالکافرون اور قل ھو اللہ احد۔ اور سورتوں کی یہ ترتیب ردالمحتار میں بھی درج ہے۔ مرآۃ المناجیح جلد ۲ ص ۳۰۵۔

اور اسی کتاب میں ہے کہ ترمذی شریف میں بروایت عبداللہ ابن مبارک یوں ہے کہ نیت باندھ کر

سبحان اللہ وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا الہ غیرک ط

تک پڑھ کر قرأت سے پہلے تسبیح مذکورہ ۱۵ بار پڑھے اور قرأت سے فارغ ہو کر دس بار پڑھے یعنی پہلی رکعت کے قیام میں ۲۵ بار پڑھے اور ہر رکعت کے دوسرے سجدہ سے اٹھ کر دس بار نہ پڑھے تاکہ رکن میں تاخیر نہ ہو اور احناف کے نزدیک اسی پر عمل ہے ایسے ہر ترکیب "سنی بہشتی زیور" میں درج ہے یعنی اسی طرح ہر رکعت میں ۷۵ بار پڑھے اور چار رکعتوں میں ۳۰۰ بار پوری کرے۔ بہتر ہے کہ تسبیح کی گنتی دل میں کرے ورنہ انگلیوں کو دبا کر کرے اگر کہیں بھول جائے تو دوسری جگہ پوری کرے اور اس نماز کو تنہا پڑھنا چاہیے۔ (سنی بہشتی زیور جلد ۳ ص ۲۲۷)

۲۔ معلوم ہونا چاہیے کہ عورتوں کے لئے نماز باجماعت پڑھنا شرعاً مکروہ ہے مذہب حنفی کی تمام کتابوں میں یہی حکم ہے البتہ اگر عورتوں کے لئے پردے کا مکمل انتظام ہو یا کوئی بوڑھی عورت مرد امام کے پیچھے اقتداء کرلے تو اس کی نماز صحیح ہوگی بشرطیکہ امام نے امامت مستورات کی نیت کی ہو۔ اور اگر چند عورتیں مل کر نماز باجماعت ادا کریں تو امام عورت کو عورتوں کے صف کے درمیان میں کھڑا ہونا چاہیے نہ کہ مرد امام کی طرح صف سے آگے، اسی طرح تفصیل درج ہے۔ (نور الایضاح میں ص ۸۰ فصل فی الاحق بالامامۃ)

تبصرۂ کُتب

(تبصرے کے لئے دو کتابیں ارسال کی جائیں)

عنوان شاہ احمد رضا خان بڑیچ افغانی

مصنف محمد اکبر اعوان (کوئٹہ)

سن اشاعت ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶ء۔

صفحات ۴۰

ہدیہ ۱۲ روپے

ناشر المختار پبلی کیشنز ۲۵ جاپان منشن رضا چوک (ریگل) صدر کراچی۔

تبصرہ نگار سید محمد انور شاہ قادری۔ لائبریرین گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن گل بہار پشاور

چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان صاحب رحمت اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی سوانح حیات اور علم و فضل پر انفرادی و اجتماعی، سندی و غیر سندی، مطبوعہ و غیر مطبوعہ اور سمعی اور بصری مواد اس قدر جمع ہو چکا ہے کہ غالبیات اور اقبالیات کی طرح "رضویات" بھی ایک مستقل موضوع کی شکل اختیار کر چکا ہے جس میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ لیکن اس وسیع علمی وادبی ذخیرے میں آپ کے خاندانی پس منظر کا پہلو تحقیق طلب تھا۔

چنانچہ محترم محمد اکبر اعوان صاحب جو بلوچستان سیکرٹریٹ میں قانون وانصاف کے شعبے میں ایک اہم سرکاری عہدے پر فائز ہیں اور تحقیق و مطالعے کا ذوق بھی رکھتے ہیں آپ نے اس اہم اور تشنہ لب موضوع پر پائی جانے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے اپنی کوششیں بروئے کار

لائیں اور پٹھانوں کی مستند و معتبر کتب کے وسیع مطالعے کا نچوڑ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے زیر تبصرہ کتاب تحریر فرما کر پٹھانوں پر بہت بڑا احسان کیا۔

فاضل مقالہ نگار نے اس میں یہ خوشگوار حقیقت منکشف کی ہے کہ شاہ احمد رضا خان صاحب کا پٹھانوں کے قبیلہ بڑیچ سے ہے اور آپ کے جد امجد محمد سعید اللہ خان بڑیچ میں افغانستان سے خاندان مغلیہ کے تاج دار محمد شاہ کے دور میں ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور اپنے قبیلے کے دیگر افراد کے ساتھ ریاست روحیل کھنڈ میں سکونت پذیر ہوئے۔

اعوان صاحب نے بڑی محنت سے شاہ احمد رضا خان صاحب کے خاندان کا تاریخی جائزہ پیش کیا ہے۔ پشتو زبان کی ابتداء نیز پشتون، پختون، افغان، روحیلے اور لفظ پٹھان پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ عمدہ توضیح بیان کی ہے کہ یہ ایک ہی خانوادے کے مختلف نام ہیں۔ البتہ پٹھان کی اصطلاح ہندوستان اور یورپ میں زیادہ مشہور ہوئی۔ افغانوں کے قبیلہ بڑیچ سے تعلق رکھنے والے چند بزرگ اولیاء اللہ کا ذکر خیر بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں پٹھانوں کے آبائی وطن افغانستان اور ان کی طرف سے ہندوستان میں قائم کی جانے والی ریاست روحیل کھنڈ پر بھی اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

کتاب میں بعض مقامات پر کتابت کی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۹ سطر ۱۰ پر ۱۹۶۸ء کی بجائے ۱۸۶۸ء ہونا چاہیئے۔ ص ۳۰ سطر ۵ پر خواجہ مرود کی جگہ خواجہ مودود ہونا چاہیئے۔ اسی طرح کی دیگر غلطیوں کے علاوہ ص ۲۳ سطر ۵۔ ۶ پر یہ فقرہ "مرہٹوں کے ظلم و ستم سے انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو پانی پت کے میدان میں شکست فاش دے کر احسان عظیم کیا"

یوں ہونا چاہیئے۔

"انہوں نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو ان کے ظلم وستم سے نجات دلا کر احسان عظیم کیا"۔

اعلیٰ حضرت کے اسلاف اور ہم نسب پٹھان جس طرح جہاد بالسیف میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اسی طرح آپ جہاد بالقلم میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے ہندوستان میں تحفظ ناموس

رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظمت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، مودت اہل بیت علیہم السلام، عقیدت اولیاء اللہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین اور حنفیت کی ترویج واشاعت کے لئے ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ خصوصاً آخرالذکر کو آپ کی مساعئی جمیلہ سے ہندوستان میں نئی زندگی ملی۔ اگر اسے آپ کی خاندانی روایات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی حقیقت خود بخود واضح ہوجاتی ہے۔ کیونکہ افغان علماء وعوام کا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہمیشہ سے خصوصی شغف رہا ہے اور افغانستان عالم اسلام کا وہ واحد ملک ہے جس میں روسی مداخلت سے قبل ظاہر شاہ کے دور حکومت تک فقہ حنفی سرکاری طور پر رائج تھا۔ الغرض اسی خاندانی میلان کے زیر اثر اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ جیسا شاہکار رقم فرمایا جسے فقہ حنفی کے مسائل کا انسائکلوپیڈیا کہنا بے جا نہ ہو گا۔

مکرمی جناب ڈاکٹر اقبال احمد خان صاحب نے اس مقالے پر اپنے گراں قدر مقدمے میں اس بات پر بڑے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے کہ شاہ احمد رضا خان صاحب افغانی اگرچہ پختون تھے مگر پختون بھائیوں میں ان کا تعارف نہ ہوسکا۔ واقعی یہ بات افسوس ناک ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت ناک بھی ہے۔ اس کا مداوا یوں ہی ممکن ہوسکتا ہے کہ اس مقالے کو بہت بڑی تعداد میں طبع کرواکر سرحد بلوچستان اور افغانستان میں بسنے والے پٹھانوں تک پہنچایا جائے۔ امید ہے کہ اعوان صاحب کی یہ کاوش پختونوں کو اپنے ایک عظیم المرتبت پختون بھائی کو سمجھنے اور ان کے متعلق حقیقی صورت حال سے آگاہی حاصل کرنے میں مفید اور کارآمد ثابت ہوگی بلکہ اس سلسلے میں مزید تحقیق اور پیش رفت کے تقاضے پختون محققین اپنا قومی فریضہ سمجھتے ہوئے پورا کریں گے۔ اور پشتو اکیڈمی اور سنٹرل ایشین سٹڈی سنٹر پشاور یونیورسٹی کے منتظمین اور محققین بھی اس طرف توجہ دیں تو بین الاقوامی شہرت کے حامل اس پختون سپوت کے متعلق دیگر مخفی گوشوں کی نقاب کشائی بھی ممکن ہو سکتی ہے۔